سازِ اودھ میں
نغمۂ غالب

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

اُترپردیش اُردو اکادمی
لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات : ۴۹۲

سازِ اودھی میں

نغمۂ غالبؔ

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

سازِ اودھی میں نغمۂ غالبؔ

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

Saaz-e- Awadhi Mein Naghma-e-Ghalib

By

Dr. Noorul Hasan Hashmi

Price Rs 25/=

پہلا اکادمی ایڈیشن : ۲۰۰۵ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت : ۲۵/- روپے

محمد نجم الحسن، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس امبر ٹریڈرس نبی اللہ روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر اردو اکادمی واقع وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۰ سے شائع کیا۔

حرف آغاز

بیسویں صدی کے نصف آخر میں جن قلم کاروں نے اردو ادب میں ممتاز و نمایاں مقام حاصل کیا ہے اُن میں ایک نام پروفیسر نورالحسن ہاشمی کا بھی ہے۔ وہ بیک وقت بلند پایہ ادیب، ممتاز محقق، معتبر نقاد اور خوش فکر شاعر ہی نہیں اردو زبان و ادب کے رمز شناس بھی تھے۔ اُن کو اردو، فارسی، ہندی، عربی کے علاوہ انگریزی میں بھی عبور حاصل تھا۔ ''دہلی کا دبستانِ شاعری'' ان کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو اپنے موضوع اور مباحث کے لحاظ سے تنہا اور منفرد تحقیقی اور تنقیدی مقالہ ہے۔ ''ادب کیا ہے؟'' اور ''ادب کا مقصد'' وغیرہ ان کی ایسی کتابیں ہیں جن سے ادب کا طالب علم یا باذوق قاری بے نیازانہ نہیں گذر سکتا۔ اردو کا بڑا حلقہ ان کے تبحرِ علمی اور ان کی نگارشات و تخلیقات کی عظمت کا معترف و مداح رہا ہے۔ ڈاکٹر ہاشمی کا ایک شعری مجموعہ ''اندرونم'' بھی منظرِ عام پر آ کر ادبی حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔

''سازِ اودھی میں نغمۂ غالب'' ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی وہ کاوش ہے جو غالب شناسی کے باب میں گراں قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ غالب کی شعری آفاقیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے کلام کا ترجمہ بہت پہلے ہو چکا ہے۔ ہاشمی صاحب نے شاعری کو باقاعدہ وسیلۂ اظہار نہیں بنایا۔ انھوں نے تفننِ طبع کی خاطر وقتاً فوقتاً شعر گوئی کے ساتھ بعض شعری تجربے بھی کیے۔

"ساز اودھی میں نغمۂ غالب" اسی طرح کا ایک شعری تجربہ ہے۔ جس میں انھوں نے مرزا غالبؔ کے سو اشعار کا اودھی زبان میں موثر اور دلکش انداز میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ منظوم اودھی ترجمہ ہندوستان کی علاقائی زبانوں کے حوالے سے غالب شناسی کے باب میں خوش گوار اضافہ تصور کیا جائے گا۔ اس ترجمہ میں انھوں نے نہ صرف غالبؔ کے خیال اور اسلوب کو قائم رکھا ہے بلکہ اودھی زبان کی لطافت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہاشمی صاحب نے نہ صرف غالبؔ کے اشعار کا ترجمہ کیا ہے بلکہ وہ ان اشعار کے معانی اور مطالب بھی ضبط تحریر میں لائے ہیں جن کے توسط سے تفہیم غالبؔ میں قارئین کو کافی مدد ملے گی۔

مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل بھی ہے کہ "ساز اودھی میں نغمۂ غالب" کو غالب شناسی کے باب میں قابل قدر اضافہ تصور کیا جائے گا اور ادبی حلقوں میں بھی اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

(مولانا) ڈاکٹر یاسین علی عثمانی
چیرمین
مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر
لکھنؤ

پیش گفتار

غالب کے ایک سو اشعار کا اودھی بھاشا میں یہ منظوم ترجمہ میں نے غالب صدی برسی کے موقع پر ۱۹۶۹ء میں تیار کیا تھا اور شعبہ اردو، لکھنؤ یونی ورسٹی کے میگزین کے غالب صدی نمبر میں اُسے ہندی رسم خط میں شائع کرایا تھا۔ بعد میں یہ رسالہ 'نیا دور' لکھنؤ کے اگست ۱۹۷۰ء کے شمارے میں اردو رسم خط میں شائع ہوا۔ کئی حضرات نے پسندیدگی کے خطوط بھیجے۔ ریڈیو اور ٹی وی سے بھی کچھ اشعار مختلف وقتوں میں نشر ہوئے اور عام طور پر پسند کیے گئے۔

عرصہ سے متعدد احباب اصرار کر رہے تھے کہ اسے کتابی صورت میں شائع کرا دیا جائے لیکن مکروہات زمانہ نے فرصت نہ دی کہ اس طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ کر سکتا۔ لیکن وقتاً فوقتاً موقع مل جانے پر کچھ نہ کچھ لکھتا رہا۔ بارے اب کام مکمل کر سکا۔ تراجم پر نظر ثانی کے علاوہ ہر شعر کا مطلب بھی شامل کر دیا ہے تاکہ عام قاری کو غالب کے اشعار خصوصاً ان کے پیچیدہ اشعار کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

ترجمے میں چھیاسی تو متفرق اشعار ہیں جن میں دو تین اشعار نسخۂ حمیدیہ کے بھی شامل کر دیے ہیں۔ سات اشعار کی ایک پوری غزل ہے اور سات اشعار ان کے فارسی دیوان سے منتخب کر کے لے لیے ہیں۔ غزل کے ترجمے میں غزل ہی کی ہیئت کو پیش نظر رکھا ہے۔ یعنی ہندی دوہوں کی طرح ہر شعر کو مطلع نہیں بنایا گیا ہے۔

کسی زبان کے اشعار کا دوسری زبان میں منظوم ترجمہ کرنا کس قدر مشکل کام ہوتا

ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ یہ دقت ہندی دوہوں کے انداز میں ترجمہ کرتے وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہر شعر کو مطلع بنانا پڑتا ہے۔ اس کوشش میں مجھے کہاں تک کامیابی ہوئی ہے یہ تو اہلِ نقد ہی بتا سکیں گے لیکن مجھے اپنی کوتاہیوں کا پورا احساس ہے۔ اسی لیے میری فروگزاشتوں کو اگر کوئی صاحب مجھے بتا سکیں گے یا اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے سکیں گے تو میں ان کا بہت ممنون ہوں گا۔

اس کتابچے کو ہندی رسم خط میں بھی شائع کرانے کا ارادہ ہے تاکہ ہندی داں طبقے میں بھی کچھ غالب شناسی پیدا ہو سکے۔ اُس میں غالب کے اشعار کی تشریح ہندی زبان میں کرنا ہوگی اس لیے کہہ نہیں سکتا کہ اس کی نوبت کب آسکے۔ اس لیے فی الحال جو چیز تیار ہے اسے ہی پیش کیے دے رہا ہوں۔ اس سے بھی امید تو یہی ہے کہ عام اردو داں لوگ جو اردو ادبیات کے طالب علم نہیں رہے ہیں اور آجکل کی وہ نسل جو اردو کم اور ہندی زیادہ جانتی ہے اس ترجمے سے لطف اندوز ہو سکے گی۔ یہی خیال محرک ہوا کہ اسے اردو رسم خط میں بھی شائع کر دیا جائے۔

اس ترجمے کے ساتھ غالب کے سوانح حیات یا اُن کی شاعری کے خصائص لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی اس لیے کہ اردو ادب کا ہر طالب علم اُن سے اور اُن کی شاعری کی خوبیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ البتہ جو لوگ صرف اُردو داں ہیں ان کے لیے ابتدا میں ایک بہت مختصر تعارف شامل کر دیا ہے۔

نورالحسن ہاشمی

۱۲ر دسمبر ۱۹۸۴ء

غالبؔ کا مختصر تعارف

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ اردو کے بہت بڑے اور مشہور شاعر ہوئے ہیں اور ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا کم از کم اُن کے نام سے تو ضرور واقف ہے۔ یہ آگرہ میں ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد مرزا عبداللہ بیگ ریاست الور کے راجہ کی فوج میں ایک اچھے عہدے پر ملازم تھے۔ ابھی غالبؔ چار برس ہی کے تھے کہ اُن کے والد ایک لڑائی میں مارے گئے اس طرح یہ یتیم ہو گئے۔ اب ان کی پرورش ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ کرنے لگے جو مرہٹوں کی طرف سے آگرہ کے حاکم تھے۔ جب انگریزوں اور مرہٹوں سے لڑائی ہوئی تو انگریزوں کی طرف سے لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں آگرہ پر قبضہ کر لیا مگر نصر اللہ بیگ کی ملازمت برقرار رکھی۔ بدقسمتی سے ۱۸۰۶ء میں نصر اللہ بیگ بھی ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ اُس وقت غالبؔ کی عمر تقریباً نو (۹) برس کی تھی۔ انگریزوں نے اُن کا اور ان کے چھوٹے بھائی مرزا یوسف کا کچھ وظیفہ سالانہ مقرر کر دیا اور اُن کی پرورش اُن کے ننہال میں ہونے لگی جو ایک خوش حال گھرانا تھا۔ پھر ان کی شادی تیرہ برس کی عمر میں دہلی کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں کر دی گئی اور دو تین برس کے بعد غالبؔ مستقل طور پر آ کر دہلی میں رہنے لگے اور پھر ساری عمر یہیں گزاری۔ صرف ایک مرتبہ (۱۸۲۶ء میں کلکتہ گئے تھے اور اسی سفر کے دوران کان پور، لکھنؤ، باندہ اور بنارس شہر دیکھے تھے۔ آخر عمر میں رام پور کا سفر دو مرتبہ کیا تھا۔ دو ایک دفعہ دہلی کے قریب کے شہروں میں بھی گئے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو وفات پائی۔

غالبؔ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ دونوں زبانوں میں اُن کے دیوان موجود ہیں۔ وہ اپنی فارسی شاعری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے

تھے لیکن شہرت ان کی اردو شاعری کی بدولت ہوئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اردو میں جو اپنے دوستوں اور شاگردوں کو خطوط لکھے تھے وہ بھی بہت مقبول ہوئے کیونکہ ان کے خط لکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے معلوم ہو کہ آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

اپنی شاعری میں بھی انھوں نے یہ کوشش کی کہ جو کچھ کہنا ہو نئے ڈھنگ سے کہیں تاکہ دوسرے شاعروں کے مقابلے میں ممتاز رہیں۔ اسی لیے خود کہا ہے:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن وَر بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

شروع میں وہ اسدؔ تخلص کرتے تھے اور اُس وقت ان کی اردو شاعری میں فارسیت اتنی زیادہ ہوتی تھی اور خیالات اتنے پیچیدہ کہ پڑھے لکھے لوگوں کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے تو یہ کہہ کر ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تھا کہ:

کلام میرؔ سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

بہرحال ان کے دوستوں نے انھیں سمجھایا اور خود انھیں بھی احساس ہو گیا کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ جو کچھ کہا تھا اس کا ایک انتخاب کر ڈالا پھر آسان اردو میں شعر کہنا شروع کر دیے۔ تھوڑے عرصہ ہی میں شہرت ان کے قدم چومنے لگی۔

غالبؔ کے کلام میں خیال کی بڑی وسعتیں ہیں اور جذبے کی بڑی گہرائی۔ فلسفیانہ مضامین بھی ہیں، صوفیانہ بھی اور رومانی یا عاشقانہ بھی۔ ہر شخص کو ان کے اشعار میں اپنے تجرباتِ زندگی کا عکس اور اپنے ظرف اور معیار کے مطابق لطف اور آسودگی ملتی ہے۔

بقول عبدالرحمٰن بجنوری ان کے دیوان میں:

"لوح سے تمت تک سو صفحے ہیں لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں۔
کون سا نغمہ ہے جو اس زندگی کے تاروں میں بیدار یا خوابیدہ موجود نہیں۔"

فہرست

اُن اشعار کی جن کا ترجمہ کیا گیا

۱۷۔ گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

۱۸۔ غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

۱۹۔ ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

۲۰۔ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

۲۱۔ بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

۲۲۔ سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

۲۳۔ محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

۲۴۔ وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حُسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

۲۵۔ کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

۲۶۔ دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

۲۷۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

۲۸۔ کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

۲۹۔ مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

۳۰۔ ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

۳۱۔ تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

۳۲۔ نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

۳۳۔ تو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز

۳۴۔ گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ

۳۵۔ تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا، گنہ گار ہیں ہم

۳۶۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

۳۷۔ نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

۳۸۔ رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پہ ہے نہ پا ہے رکاب میں

۳۹۔ ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

۴۰۔ آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

۴۱۔ لاکھوں لگاؤ، ایک چُرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ، ایک بگڑنا عتاب میں

۴۲۔ کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

۴۳۔ دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

۴۴۔ یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گزر میں خاک نہیں

۴۵۔ نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

۴۶۔ قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

۴۷۔ گر تجھے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال
موجِ محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

۴۸۔ ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

۴۹۔ چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

۵۰۔ لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

۵۱۔ طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

۵۲۔ ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

۵۳۔ از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئنہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ

۵۴۔ نہیں کچھ سُبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

۵۵۔ رگِ پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

۵۶۔ اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

۵۷۔ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

۵۸۔ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

۵۹۔ بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

۶۰۔ سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

۶۱۔ مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

۶۲۔ جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

۶۳۔ ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

۶۴۔ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

۶۵۔ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

۶۶۔ دیکھو تو دل فریبیٔ انداز نقش پا — موج خرام ناز بھی کیا گل کتر گئی

۶۷۔ بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

۶۸۔ گو ہاتھ میں جنبش نہیں ہاتھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

۶۹۔ حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسدؔ — پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۷۰۔ شورش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں — دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

۷۱۔ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے — میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۷۲۔ سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ — خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

۷۳۔ ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ — مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

۷۴۔ آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

۷۵۔ کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب — سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

۷۶۔ دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے — نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

۷۷۔ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ — کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

۷۸۔ زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

۷۹۔ ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

۸۰۔ ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے — پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

۸۱۔ کچھ نہیں حاصل تکلف میں بغیر از کشمکش — اے خوشا رندے کہ مرغ گلشن تجرید ہے

۸۲۔ رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

۸۳۔ مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

۸۴۔ خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو — وہی ہم ہیں، قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

۸۵۔ گوش محروم پیام و چشم محروم جمال — ایک دل تس پر یہ ناامیدواری ہائے ہائے

۸۶۔ ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

غزل

۷ شعر

۸۷۔ آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک — کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

۸۸۔ دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ — دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

۸۹۔ عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب — دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

۹۰۔ ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن — خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

۹۱۔ پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم — میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

۹۲۔ یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل — گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

۹۳۔ غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

فارسی اشعار

۹۴۔ ریزد آں برگ ایں گل افشاند — ہم خزاں ہم بہار در گزر است

۹۵۔ بہشتِ خویش توانی شدن اگر داری — دلے کہ خوں شود و رنگِ مدعا ریزد

۹۶۔ دو برق فتنہ نہفتند در کفِ خاکے — بلائے جبر یکے، رنجِ اختیار یکے

۹۷۔ ہر چہ فلک نخواست استے ہیچ کس از فلک نخواست — ظرف فقیہ مے نہ جست، بادۂ ما گزک نخواست

۹۸۔ رند ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نبود — لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

۹۹۔ در گرم روی سایہ و سرچشمہ نہ جوئیم — با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

۱۰۰۔ بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلاست — قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

۱

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

یہ غالب کے دیوان کا پہلا شعر ہے۔ عموماً ہر شاعر اپنے دیوان کی پہلی غزل خدا کی تعریف سے شروع کرتا ہے لیکن یہاں غالب نے خدا سے شکایت کی ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں جتنی جاندار مخلوق بنائی گئی ہے یہ سب پیدا ہو کر دُکھ درد اٹھاتی ہے اور دُکھوں کی شکایت کرتے کرتے مرجاتی ہے۔ ان کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کاغذ ایسی کمزور چیز پر کچھ تصویریں بنا دی گئی ہوں اور وہ تصویریں اپنے دُکھوں اور کمزور جیون کا رونا رو کر پوچھتی ہیں کہ آخر کس شوخ اور چنچل مصور نے بیکار ہم کو ایسے کمزور کاغذ پر بنا دیا کہ ہم زیادہ دنوں تک جی بھی نہیں پاتے اور جتنے دن جیتے ہیں دُکھ اُٹھاتے رہتے ہیں۔ ایسا جینا کس کام کا ہے ہماری تخلیق تو کسی مصور کا ایک مذاق معلوم ہو [illegible] ہے۔

وَستر پہرے کاگد کیرا، چتر اک چلائے
کو نھے چنچل اپنے کَلم سے ھم کا دِھس بنائے

وَستر = لباس ۔ پہرے = پہنے ۔ کاگد = کاغذ ۔ کیرا = کا ۔ چتر = نقش، تصویر، کو نھے = کس ۔ چنچل = شوخ ۔ کَلم = قلم ۔ دِھس بنائے = بنا دیا ہے۔

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

عاشق کے لیے شبِ فرقت یا تنہائی کی رات کاٹنا اتنا ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ اتنا ہی مشکل جتنا فرہاد کے لیے پہاڑ کاٹ کر شیریں کے قصر تک دودھ کی نہر لے جانا تھا، یعنی بے حد جان لیوا کام۔

ھائے اکیلے پن کی بپتا پوچھ نہ ھِردے کا بتلائے
کالی راتیں پربت جیسی، کاٹت کاٹت بھور ھوجائے

بپتا = آفت، تکلیف ــــ کا = کیا۔

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

غالبؔ کہتے ہیں کہ جب میں بات کرتا ہوں تو اُسے سُن کر سمجھنے کے لیے لوگ اپنی عقل کا جال چاہے جتنا چاہے پھیلائیں، میری بات اُن کی سمجھ کے جال میں نہیں آسکتی۔ مطلب یہ کہ میرے اشعار ایسے پُرپیچ یا پُراسرار ہیں کہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔

پنڈت بُدّھی بَل کا تانا چاہے جتنا جال بچھائے
مور کتھن کا مرم نہ جانے، ارتھ کا پنچھی ہاتھ نہ آئے

پنڈت = عالم، گیانی ۔ بُدّھی بَل = قوتِ ادراک ۔ مور = میرے ۔ کتھن = بات۔
مَرم = بھید ۔ اَرتھ = مطلب، معنی ۔ پنچھی = پرندہ۔

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

غالب کہنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو چہل پہل ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ لوگ جانتے ہیں کہ ہمیں ایک نہ ایک دن مرجانا ہے اس لیے جس قدر جلد ہوسکے اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کرلی جائے۔ اگر زندگی کا عرصہ بہت طویل لاکھوں برس کا ہوتا یا موت کبھی نہ آیا کرتی تو زندگی میں جو اتنی سرگرمی اور چہل پہل نظر آتی ہے وہ نہ ہوتی۔

جیون جب دو دن کا ٹھہرا، موہ نہ کاھے ناچ نچائے
نِدھن نہ ھو تو جیون کیرا، سواد نہ کوئی پائے

جیون = زندگی ۔ موہ = حرص دنیا ۔ نِدھن = موت، فنا ۔ کیرا = کا ۔ سواد = لطف، مزا۔

۵

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

محبت سبھی کرتے ہیں لیکن ہوس کرنے والے لوگ زیادہ ہوتے ہیں ۔ سچی محبت یا سچا عشق بہت مشکل کام ہے ۔ یعنی محبت میں جو وفاداری برتیں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ۔ غالب نے اسی خیال کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ہوس کرنے والوں کی محبت تنکے کی چنگاری کی طرح ہوتی ہے جو بہت جلد بُجھ جاتی ہے ۔

تنکے کی چنگاری کالھے، چھن بھر ماں بُجھ جائے
پریم کا پالن، پریم کا آدر، لوبھی جان نہ پائے

چھن = لمحہ ۔ پالن = رکھ رکھاؤ ۔ آدر = عزّت ۔ لوبھی = حریص، ہوس کار ۔

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

قطرہ سمندر کا ایک بہت ہی چھوٹا جزو ہوتا ہے لیکن ہوتا وہ بھی پانی ہی ہے۔ اس لیے قطرہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی سمندر ہوں۔ اسی طرح سے ہر آدمی کی روح، خدا کی روح کا ایک بہت ہی چھوٹا سا جزو ہے۔ اس لیے آدمی بھی فخر سے کہہ سکتا ہے کہ ہماری بڑائی کا کیا پوچھنا، ہم تو انا الحق کہہ سکتے ہیں۔

بوندِن بھیتر جھانک کے دیکھو ساگر مارے ٹھاٹ
ہم ہوٗ ماں بھگوان بَسَت ھے، پوچھ نہ ھمری جات

بوندِن = قطروں ـــ ساگر = بحر، سمندر ـــ ہم ہوٗ ماں = ہم میں بھی ـــ بَسَت ہے = بستا ہے ـــ ہمری = ہماری ـــ جات = ذات۔

سُن اے غارت گرِ جنس وفا سُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

اے محبوب! تو اپنے چاہنے والوں کو برباد اور تباہ کر رہا ہے تو اچھی طرح سُن لے کہ یہ صدا لگانا کہ دل کی قیمت کم ہو گئی بے کار ہو گا۔ جنسِ وفا یعنی میرے دل کی قیمت کبھی کم نہ ہو گی۔ وہ تو انمول ہے۔

سُن لے لوٹن ھارے مَن کے، سُن لے کانن کھول
ٹوٹے مَن کا بول گھٹے نا، وَہِ کا بول، اَمول

لوٹن ہارے = اے غارت گر۔ کانن = کان کی جمع۔ بول = قیمت۔
اَمول = انمول۔

دوسرا مطلب:

اے غارت گر جنس وفا (محبوب) تو چاہتا ہے کہ ٹوٹنے کی صدا سے

لطف اندوز ہو تو دل کی قیمت کی شکست (قیمت گرجانا) میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ اس لیے تیری یہ خواہش بے کار ہے۔

سُن لے توڑن ھارے من کے، سُن لے کان کھول
من کا مان گھٹے تو وَہِ سِن ناھیں نکسے بول

توڑن ہارے = توڑنے والے ۔ مان = قیمت ۔ وَہِ سِن = اُس سے۔

---

(۸)

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا دفتر کھلا
اس تکلّف سے کہ گویا بُت کدے کا در کھلا

غالبؔ کہتے ہیں کہ رات ہوگئی، ستارے نکل آئے ہیں اور ایسی شان سے نکلے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کسی بُت کدے کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور اُس کے اندر چراغ جگ مگ کرتے نظر آنے لگے ہیں یا بُت ہی ایسے روشن ہیں کہ جگمگا رہے ہیں۔

یہ ایک خوب صورت تشبیہ ہے۔

رَین بھئی پھر جگ مگ تارن کا بھنڈار کھُلا
شوبھا ایسی جیسے کوئی مندر کیرا دوار کھُلا

رَین = رات ۔ بھئی = ہوئی ۔ تارن = تاروں ۔ بھنڈار = دفتر، خزانہ ۔ شوبھا = خوب صورتی، چمک دمک ۔ کیرا = کا ۔ دُوار = دروازہ ۔

(۹)

مُنھ نہ کھلنے پر یہ عالم ہے کہ دیکھا ہی نہیں
زُلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منھ پر کھُلا

غالبؔ اپنے محبوب کے گھونگھٹ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ محبوب کے گورے گورے چہرے پر کالی کالی زلفیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے شوخ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ زلفوں سے اتنا زیادہ خوب صورت معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ایسا کبھی اور کہیں دیکھا ہی نہیں۔

ڈھانپے منھ پر شوبھا وَہِ کی، دیکھی ناھیں دیکھی جائے
کیسَن سیتی گھونگھٹ وَہِ کا، اَدِھکے روپ سجائے

شوبھا = خوبی، خوش نمائی۔ وَہِ کی = اُس کی۔ کیسَن = زلفوں۔ سیتی = سے۔ وَہِ کا = اُس کا۔ اَدِھکے = زیادہ۔ روپ سجائے = چہرہ کو خوب صورت بنائے۔

۱۰

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی، دردِ بے دوا پایا

عشق کے متعلق غالب کا کہنا ہے کہ زندگی کا لطف اسی سے ہے، عشق نہ ہو تو زندگی بے لطف رہتی ہے گویا زندگی کے درد کی دوا عشق ہی ہے مگر یہ دوا بھی ایسی ہے کہ اس کا کوئی توڑ نہیں یعنی یہ خود ایسا درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں۔

جیون کا سُکھ وُوھی پاوت، پریت بساوَت جو من مانہہ
سگرے دُکھن کی پریت ھے دارو، پریت کی دارو کونھو نانہہ

جیون = زندگی۔ وُوہی = وہ ہی۔ پاوَت = پاتا ہے۔ پریت = عشق۔ بساوَت = بساتا ہے۔ من مانہہ = دل میں۔ سگرے = سب، تمام۔ دُکھن = دکھوں۔ دارو = دوا، علاج۔ کونھو نانہہ = کوئی نہیں۔

۱۱

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

غالب کہتے ہیں کہ ہماری تمناؤں کا حوصلہ دیکھیے۔ اگر ہم کچھ طلب کرنے پر آئیں تو یہ ساری کائنات (جس کو ہم ایک دشت سے زیادہ نہیں سمجھتے) جو ہمارے سامنے ہے ہمارے حوصلہ کی رفتار کے آگے صرف ایک قدم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اب اے خدا بتا کہ ہماری تمناؤں کا دوسرا قدم کہاں پڑے۔ یہ کائنات تو ہمارے پہلے قدم ہی کا نشان بن کر رہ گئی۔
انتہائی مبالغہ کے ساتھ اپنی عالی حوصلگی دکھائی ہے۔

سَگرے جَگ کا کانَن کاھے، ایکے پگ کی ٹھانو
ھے بھگوان، کہاں اب راکھے، کانچھا دوسر پانو

سگرے = سارے۔ کانَن = جنگل، صحرا۔ پگ = قدم۔ ہے = اے۔ راکھے = رکھے۔ کانچھا = تمنا، شوق۔ دوسر = دوسرا۔

۱۲

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اِس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا، جل گیا

ابتدائے عشق میں تو یہ حالت تھی کہ ہر وقت محبوب کی یاد رہتی تھی اور اُس کے وصل کا شوق۔ لیکن محرومیوں اور ناکامیوں کے باعث ہمارے عشق نے ہمارا دل ہی جلا ڈالا اور اب انتہائی مایوسی کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی توقع باقی نہیں رہی۔ اس لیے ذوقِ وصل کیا یادِ یار تک باقی نہیں رہی۔

اب تو ملن کی روچی ناھیں، ناھیں پریتم دھیان
لاگی آگیا من ماں ایسی پھونک دِھس استھان

مِلن = وصل۔ روچی = ذوق، شوق۔ پریتم دھیان = یادِ یار۔ لاگی آگیا = آگ لگی۔ دِہس = دیا۔ استھان = گھر۔

عرض کیجے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

شاعروں کی طبیعت میں تخیّل کی ایک گرمی ہوتی ہے اسی سے اُن کا تصوّر اپنے ذہن میں مظاہرات عالم کی تصویریں پیش کردیتا ہے۔ غالب یہ کہتے ہیں کہ میرے تخیّل میں اتنی گرمی ہے کہ میں اگر وحشت میں آکر صحرا تصور کردوں تو وہ صحرا ہی میری وحشت زدہ تخیّل کی گرمی سے جل جائے۔

مبالغہ کی انتہائی قسم کو پیش کیا گیا ہے۔

مورے مَن کی تاپ تو دیکھو، جاے کہاں تک کا بتلائیں
باورپَن کی لہر جو آوے، کانن جنگل سب جَر جائیں

تاپ ۔ گرمی ۔ باورپَن ۔ وحشت، دیوانگی ۔ کانن ۔ صحرا ۔ جَر جائیں ۔ جل جائیں ۔

(۱۴)

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاق نسیاں کا

زاہد جس باغ جنت کی اس قدر تعریفیں کرتا ہے وہ ہم جیسے مست و بے خود و لاابالی قسم کے لوگوں کے لیے ایک گلدستہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جسے ہم طاق پر زینت کے لیے رکھ تو دیتے ہیں لیکن پھر اسے بھول بھی جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم جنت کو ایک خوش گوار خیال سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

دھرمی جِہ سُر لوک کے اتنے بُھر بُھر گُن گائیں
ہم تو ایسے پُھولن گُچھّے، تا کھے راکھ بُھلائیں

دھرمی = مذہبی لوگ۔ جِہ = جس۔ سُر لوک۔ ۔ بُھر بُھر = بہت زیادہ۔ گُن گائیں = تعریف کریں۔ پھولن ۔ ے = گلدستے۔ تاکھے = طاق پر۔ راکھ = رکھ کر۔

(۱۵)

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

کسان سخت محنت و مشقت کر کے غلہ اُگاتا ہے۔ اُس کا کھلیان بناتا ہے لیکن بجلی گرتی ہے اور اُس کا کھلیان جلا ڈالتی ہے۔ گویا اُس نے جو یہ ساری محنت و مشقت کی تھی اس کا انجام یہی نکلا کہ تباہی و بربادی حاصل ہوئی۔ شاعر اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ انسان اس دنیا میں چاہے جو کچھ تعمیر کرے، حاصل فنا ہے۔ گویا فنا ہماری تعمیر ہی میں پوشیدہ ہے۔

ناشن کا اک ڈھنگ چھپا ھے، کیسے برے کا ھے نرمان
کِرشک بجّ پتن کے کارن، کھیتی کر جورت کھریان

ناشن = فنا۔ کیسے برے کا = کہنے کے لیے۔ نرمان = تعمیر۔ کرشک = کسان۔ بجّ پتن = بجلی کا گرنا۔ کارن = واسطے۔ جورت = اکٹھا کرتا ہے۔ کھریان = کھلیان۔

(۱۶)

نظر میں ہے ہمارے جادۂ راہِ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

دنیا میں طرح طرح کی چیزیں پیدا ہیں، ایک دوسرے کی طرح بھی، ایک دوسرے سے مختلف بھی اور ایک دوسرے کے متضاد بھی۔ لیکن یہ سب فنا ہو کر ایک ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اے غالبؔ! فنا کا راستہ ہر وقت میرے دھیان میں رہتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا یا کائنات کی یہ سب متفرق اور مختلف چیزیں ایک ہی دھاگے میں پروئی ہوئی کتاب ہیں اور اس دھاگے کا نام ہے فنا۔

ھم کا تو بس دیکھ پڑت ھے سیدھا مارگ، بِندھن
سوتر ھے جگ کی پُستک کیرا، ایک یہی بَندھن

ہم کا = ہم کو۔ دیکھ پڑت = دکھائی پڑتا۔ مارگ = راستہ۔ بِندھن = فنا۔ سوتر = دھاگا، رشتہ۔ پُستک = کتاب۔ کیرا = کا۔ بندھن = شیرازہ۔

(۱۷)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہُر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

میرا اضطرابِ شوق اس قدر زیادہ ہے کہ دل میں بھی نہیں سما پاتا۔ حالاں کہ دل ایسی وسعت رکھتا ہے کہ دونوں جہان اُس میں سما سکتے ہیں۔ درد کا اسی قبیل کا شعر ہے:

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اس لیے میرے شوق کو تنگیِ دل کی شکایت بجا ہے۔ میرے اس اضطراب کے مقابلے میں سمندر کا اضطراب کچھ بھی نہیں، اس لیے کہ اُس کا اضطراب تو موتی میں سما کر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

اِچھا کا وِستار نہ پوچھو، مَن ہوُماں نہ سمائے
ساگر کیری بیاکلتا تو موتی بیچ لکائے

اِچھا = شوق، خواہش۔ وِستار = پھیلاؤ۔ مَن ہوُماں = دل میں بھی۔ ساگر = دریا، سمندر۔ بیاکلتا = اضطراب۔ لکائے۔ چھُپ جائے۔

۱۸

غم فراق میں تکلیف سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

میں غم فراق میں مبتلا ہوں، اس لیے مجھ کو سیر باغ کے لیے مجبور نہ کرو۔ وہاں پھول کھلے ہوئے ہوں گے اور میں حالتِ رنج و غم میں ہوں مجھے پھولوں کی ہنسی بے جا معلوم ہو گی۔

بِرھا کے مارے سیر تماشا دیکھن باگ نہ جائیں
پھول ہنست، اُپہاس کرت ہیں، من کا نہیں سُہائیں

برہا = فراق۔ دیکھن = دیکھنے کے لیے۔ باگ = باغ۔ اُپہاس = ہنسی ٹھٹھا۔ کرت = کرتے۔ سُہائیں = بھلے لگیں۔

(۱۹)

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

میرا وجود انسانیت کے دامن پر ایک بدنما داغ تھا۔ میں نے اپنے عیوب کو چھپانے کے لیے طرح طرح کے لباس اور طریقے اختیار کیے لیکن ہر لباس میں میرے عیوب عریاں ہی نظر آتے رہے۔ آخر بار جب موت آئی اور مجھ کو کفن پہنایا گیا تو وہ میرے عیوب چھپ سکے۔

دوسرا مطلب:

آدمی نے ہستی کا جامہ پہنا نہیں کہ اس کے عیوب ظاہر ہونے لگے اور وہ ہستی کے لیے باعثِ ننگ ہو گیا اور ان عیوب کا خاتمہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ کفن پہن لے یعنی مر جائے۔

وستر پہر وچاھے جیسا، آپن ننگاپن کب جائے
غالبؔ پہنے کاھے نہ کفنی، جیون اَوگُن یہی چھپائے

وستر = لباس۔ پہرو = پہنو۔ آپن۔ اپنا۔ جیون اَوگُن = زندگی کے عیوب۔

۲۰

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

قطرہ جب دریا میں مل جاتا ہے تو بظاہر وہ فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن دراصل وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ نکل کر آیا تھا اور یہ بات قطرے کے لیے باعث مسرت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب درد حد سے گزر جاتا ہے تو مریض کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ فنا ہو کر مریض کے سب دُکھ درد دور ہو جاتے ہیں اور وہ بھی اپنے خالق سے جا ملتا ہے۔ اس طرح درد کا حد سے بڑھ جانا ہی اُس کے لیے دوا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہستی کا اصل مقصود فنا ہے۔

بِندو کا تو بھوگ یہی ھے، ساگر بیچ سمائے
پیڑا جِھہ کی ھووے اَپارو، سوءِ کُسلتا پائے

بِندو = قطرہ۔ بھوگ = عیش۔ پیڑا = درد۔ جِھہ کی = جس کی۔ اَپارو = بے حد، بے انتہا۔ سوءِ = وہی۔ کُسلتا = آرام، صحت۔

(۲۱)

بُلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

بُلبل اور گل کا عشق مشہور ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ بُلبل تو پھولوں کے عشق میں رو رہی ہے اور پھول اُس پر ہنس رہے ہیں۔ سچ ہے جو عشق میں بے قرار ہو جاتا ہے لوگ اس کو دیوانہ سمجھتے ہیں اور اُس پر ہنستے ہیں۔

بُلبل بیاکُل رووے، وَہ پر پھول ھنسیں، مُسکائیں
سچ ھے پریم کرے جو مَن سے، پاگل ھی کہلائیں

بیاکُل = بے قرار۔ وَہ پر = اُس پر۔

۲۲

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

غالب کہتے ہیں کہ میری زندگی عجب کش مکش میں ہے۔ ایک طرف تو عشق میں اتنا مبتلا ہوں کہ چاہے جان چلی جائے افسوس نہیں اور دوسری طرف اپنی زندگی سے بھی پیار ہے۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ میری مثال اُس شخص کی سی ہے جو ایک طرف تو بجلی کی پرستش کرتا ہے اور جب بجلی گر کر اس کی زندگی کے کھلیان کو جلا ڈالتی ہے تو اُس کا افسوس کرتا ہے۔

بندی تو ھوں جیون کیرا، پھاندا پریم گرے لٹکے
پوجے کا تو بجّ کا پوجوں، روؤں جب کھریان جلائے

بَندی = گرفتار، اسیر۔ کیرا = کا۔ پھاندا = پھندا۔ گرے = گلے۔ بجّ = بجلی۔ کھریان = کھلیان۔

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہاے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اے شخص! تو راز کے نغموں (یعنی حقیقت کے) سے آگاہ نہیں ہے۔ اگر تو بصارت کے بجائے بصیرت کو کام میں لائے تو تجھے دنیا کی ہر چیز ایک باجے کا پردہ نظر آئے گی جس سے غیبی اسرار کے نغمے نکل رہے ہیں۔ یعنی خدا کی حقیقت ہر ظاہری چیز کے پردے کے پیچھے پوشیدہ ہے۔

دیوا بانی سب ماں باجے، توھی ناھیں گیّا تا ھوے
جو بھی اوٹ جگت ماں دیکھی، اوھی باج کا پردا ھوے

دیوا بانی = نغمۂ حقیقت۔ باجے = بجے۔ گیّا تا = محرم، واقف۔ اوٹ = پردہ۔ جگت = دنیا۔ اوہی = وہی۔ باج = ساز۔

(۲۴)

وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

میرے شوقِ دید سے متاثر ہو کر حُسن بے نقاب ہو گیا ہے یعنی اب حُسن کا جلوہ بغیر کسی پردے کے میرے سامنے ہے لیکن میں اب اس کو کیا کروں کہ خود میری نگاہ اُس کے جمال کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ اس طرح خود میری نگاہ اب ایک پردہ بن گئی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ظاہری نگاہ حسن مکمل کا جلوہ نہیں دیکھ سکتی۔

دیکھ کے مورے پریم کی ویگی، اپنا گھونگھٹ آپ اٹھائے
اب تو مور درِشٹی بن، اوٹ نہ کوئی اور دِکھائے

ویگی = شوق۔ مور = میری۔ دِرِشٹی = نظر۔ اوٹ = آڑ، پردہ

(۲۵)

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

محبوب نے عاشق کو قتل کرنے کے بعد شرمندگی محسوس کی اور توبہ کی کہ اب ایسا ظلم نہ کروں گا۔ اب شاعر (عاشق) طنز سے کہتا ہے کہ میرا محبوب تو ہمیشہ اپنی زیادتیوں پر جلد شرمندہ ہو جایا کرتا تھا، اب قتل کرنے کے بعد شرمندگی دکھائی اور قتل سے توبہ کی تو بیکار۔ اُسے جلد پشیمان ہو جانے والا کیسے کہا جا سکتا ہے۔

لجّا وان کی لجّا دیکھو، کِتّی جلدی آئی

مار لہِس جب موکا جی سے، ہنسا سے سکچائی

لجّا وان = شرمندہ۔ لجّا = شرمندگی۔ کِتّی = کتنی۔ مار لہِس = مار ڈالا۔ موکا = مجھ کو۔ ہنسا = ظلم۔ سکچائی = شرمندہ ہوئی۔

(۲۶)

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

وفاداری کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ گویا یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے کوئی معنی نہیں یا جس کا مفہوم کوئی نہیں سمجھتا۔ وفادار عاشق نقش وفا باندھتے رہتے ہیں۔ وفا کرتے رہتے ہیں لیکن اس کو کوئی نہیں مانتا تو اس کی تسلی کیوں کر ہو سکتی ہے؟

جگ ماں جو نِرواہ کرت ھے، وِہ کا کوئی مانت نانّہ
شَبدُ ھے یہ کچھ ایَس کداچت جَہ کا کوئی جانت نانّہ

نِرواہ = نباہ، وفا۔ مانت نانّہ = مانتا نہیں۔ شبد = لفظ۔ ایَس = ایسا۔ کداچت = شاید۔ جہ کا = جس کو۔ جانت نانّہ = جانتا نہیں۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جب کچھ نہ تھا تب بھی خدا تھا اور یہ کائنات اور مخلوقات نہ پیدا ہوتی تب بھی خدا ہی ہوتا۔ میرا پیدا ہو جانا میرے حق میں بُرا ہوا کیوں کہ اگر میں نہ پیدا ہوتا تو خدا ہوتا۔

اِیس ھتو جب کچھ ھوٗ ھیتو نا، کچھ نھیں ھوت تو اِیسے ھوت

ڈوب گیوں میں ھونے سیتی، ناھیں ھویتوں تو کا ھوت

اِیس = ایشور، خدا۔ ہتو = تھا۔ کچھ ہوٗ = کچھ بھی۔ ہیتو نا = نہیں تھا۔ گیوں = گیا۔ سیتی = سے۔ ہوتیوں = ہوتا۔ کا = کیا۔ ہوت = ہوتا۔

کام اُس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

غالب کہتے ہیں کہ میری قسمت دیکھیے کہ میرا معاملہ ایسے شخص سے پڑگیا ہے جس کا نام کوئی 'ستم گر' کہے بغیر نہیں لیتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے کسی مطلب برآری کی امید کوئی شخص کیسے لگا سکتا ہے؟

ایسے سوں کام آن پڑو ھے جو ھے بجّر وِدروھی
جَہ کا کوئی نام لیوے، کہے بنا نِرموھی

سوں = سے۔ آن پڑو = آن پڑا۔ بجّر = سخت۔ وِدروہی = دشمن۔ جَہ کا = جس کا۔ نرموہی = ظالم، سنگ دل۔

مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

شاعری میں اگر محبوب کے ناز و غمزہ کا ذکر کرنا منظور ہو تو اُسے خنجر و کٹار سے تشبیہ دے کر بیان کرتے ہیں تاکہ بیان میں لُطف و اثر پیدا ہو جائے۔ یعنی فن شاعری میں تشبیہ و استعارہ کا استعمال ناگزیر ہے۔

بھاؤ سُبھاؤ جہاں تک کہیے، کوِیتا ماں رُچ ناھیں آئے
برچھی اور کٹار بتائے، پَد پَد ماں کوِ شوبھا لائے

بھاؤ سُبھاؤ = ناز و انداز۔ کوِیتا = شاعری۔ رُچ = لطف، مزا۔ پَد = مصرع۔ کوِ = شاعر۔ شوبھا = چمک، رونق۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

کوئی حق بات بھی کہنی ہو تب لُطف اُس وقت آتا ہے جب
اُس حق بات کو بھی بادہ و ساغر کے پردے میں بیان کیا جائے۔

جاھے جِتّنا سَتّیہ بچن ھو، کاو میں شوبھا آوے نانّھ
مَد اور پیالا کیری اُپما لائے بِنا پَد بھاوے نانّھ

جِتّنا = جتنا۔ ستیہ بچن = حق بات۔ کاو = شاعری۔ شوبھا = چمک، خوبی۔
مَد = شراب۔ کیری = کی۔ اُپما = تشبیہ، استعارہ۔ پَد = مصرع۔ بھاوے
نانّھ = پسند نہیں آتا۔

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

جو سخت واقعہ مجھ پر گزرا ہے یا جو صدمہ مجھ کو پہنچا ہے اُس کا تقاضا تو یہی ہے کہ مارے صدمے کے میری بھی جان نکل جائے۔ مگر کیا کیا جائے کہ اپنی جان بھی پیاری ہے۔ اس لیے کسی نہ کسی طرح اس حادثے کو برداشت تو کرنا ہی پڑے گا اور صبر کی سل دل پر رکھ لینا ہو گی۔

دھیرج من ماں راکھو غالبؔ دھر جے پار لگائے
بپتا بھاری، جیون پیارا، اور ے کون اُپائے

دھیرج = صبر۔ دھر جے = صبر ہی۔ اور ے = اور۔ اُپائے = تدبیر

نے گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

نہ تو میں خوشی کی آواز ہوں نہ کسی ساز کے پردے کا نغمہ۔ بلکہ میں تو یکسر اپنے شکستہ دل کی آواز ہوں۔ مجھے خوشی کے نغموں سے کوئی سروکار نہیں۔

مورے پاس تو کچھ ہو نا ھیں، چمکت گان نہ باجت ساج
من سے مورے بول جو نکلے، ٹوٹے من کی ھے آواج

مورے = میرے ۔ کچھ ہو = کچھ بھی ۔ گان = گانا ۔ باجت = بجتا ہوا ۔ ساج = ساز ۔ آواج = آواز ۔

تو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

اے محبوب تو طرح طرح سے اپنی زلفیں سنوارنے میں لگا ہوا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے ہیں۔ مثلاً کہیں دوسرے لوگوں کو اپنے عشق میں پھنسانے کے لیے تو ایسا نہیں کر رہا ہے یا یہ آرائش کر کے آخر کسے دکھلانے جائے گا اور میرے لیے نئے رقیب تو نہ پیدا کرے گا۔ یا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تو سمجھتا ہے کہ مجھے محبت میں گرفتار رکھنے کے لیے ابھی اور آرائش کی ضرورت ہے۔ غرض کہ اسی طرح کے بہت سے اندیشوں میں گرفتار ہو گیا ہوں۔

تو تو اپنے اَلکَن کے بل سُلجھائے اور سجائے
گھور آشنکا مورے من کی کہاں کہاں اُلجھائے

اَلکَن = زلفیں۔ گھور = بہت۔ آشنکا = شک، اندیشہ۔

گر تجھ کو ہو یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ

اگر تجھ کو یقین ہو کہ جو کچھ دعا تو مانگے گا وہ قبول ہوگی تب بہتر یہ ہوگا کہ کوئی اور شے نہ مانگ، بس ایک دلِ بے مدعا مانگ۔ جب ایسا دل مل جائے گا جس میں کوئی خواہش، کوئی مدعا ہی نہ ہوگی تو پھر دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

تُہ کاھو وشواش کہ جو کچھ تو منگھیے، سو پاے
مانگ لے پھر تو ھِردے ایسا، جَہِ کا مانگ نہ آے

تُہہ کا = تجھ کو۔ وِشواش = یقین۔ منگھیے = مانگے گا۔ ہِردے = دل۔ جَہِ کا = جس کو۔

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا! گنہ گار ہیں ہم

باغ میں کیسے کیسے خوب صورت پھول کھلے ہوئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ بس ان کی بہار دیکھتے رہیے۔ لیکن ہمارے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ ان پھولوں کو توڑ لیا جائے۔ اے بہار کے خالق (خدا) دیکھ ہم کیسے گناہ کا خیال اپنے دل میں لا رہے ہیں کہ اس قدرتی حُسن اور اِس فطرت کی خوش نمائی کو تباہ کر ڈالنا چاہتے ہیں۔

اُپون دیکھیں، کلیاں توڑیں، ھمرے بس یے اُدّیوگ
پھولن رُت کے سجاون ھارے، پاپی ھیں ھم سب لوگ

اُپون = باغ۔ ہمرے = ہمارے۔ اُدّیوگ = کام، کوشش۔ پھولن رُت = بہار۔ سجاون ہارے = سجانے والے۔ پاپی = گنہ گار۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

کہنا یہ ہے کہ دنیا میں نہیں معلوم کتنے اور کیسے کیسے خوب صورت لوگ پیدا ہوئے لیکن آخر کار سب خاک میں مل گئے۔ زمین سے جو یہ خوب صورت پھول طرح طرح کے نکلتے ہیں اُنھیں خاک میں ملے ہوئے حسینوں میں سے صرف چند لوگوں کے نقشے ہیں جو پھولوں کے روپ میں ظاہر ہو گئے ہیں۔

ماٹی بھیتر بھیے الوپ، کیسے کیسے روپ انوپ
سب تو ناھیں، بس کچھ اُپجے، دھارے پھولن کیر سروپ

ماٹی = مٹی، خاک۔ الوپ = غائب، پنہاں۔ بھیے = ہوئے۔ روپ = شکلیں۔ انوپ = خوب صورت۔ اُپجے = پیدا ہوئے۔ دھارے = پہنے ہوئے۔ کیر = کا۔ سروپ = شکل۔

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
جس کے شانوں پر تری زُلفیں پریشاں ہو گئیں

وہ عاشق بہت خوش نصیب ہے جس کی محبوبہ اسے مل جائے اور ہم خوابی کے وقت جس کی زُلفیں اس کے شانوں پر بکھر جائیں۔ اُسے ذہنی اور جسمانی لُطف حاصل ہوگا اور اُسے پرسکون نیند حاصل ہوگی۔

چِت ھے وَہِ کا، راتیں وَہِ کی، وَہِ کا نیند سُہاے
جَہ کی بانہ ماں توری اَلکا بِتھر بِتھر مہکاے

چت = دل، دماغ۔ وَہِ کا = اُس کا۔ سُہاے = لطف دے۔ جَہ کی = جس کی۔ اَلکا = زلف۔ بِتھر بِتھر = پریشان ہوکر۔

(۳۸)

رہ میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

عمر کا گھوڑا تیز اڑتا چلا جا رہا ہے۔ ہم کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں اور کب ٹھہرے گا۔ ہم اس پر بیٹھے تو ہیں لیکن حال یہ ہے کہ نہ تو اُس کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہے اور نہ پیروں میں رکاب۔ ہم اُس کو کسی طرح روک نہیں سکتے۔ مطلب یہ کہ ہماری اپنی زندگی پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔

آشو آیو بھاگت دیکھو کہاں کرے بِسرام
پَد دھرنی پر پانو نہیں ہے، ناھیں ھاتھ لگام

آشو = اسپ، گھوڑا۔ آیو = عمر۔ کرے بسرام = آرام لے۔ پَد دھرنی = رکاب

ہے مشتمل نمود صور پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

صوفی حضرات کا خیال ہے کہ خدا کی ہستی ہی اصل ہستی ہے اور ہم کو جو یہ طرح طرح کی جان دار یا بے جان چیزیں نظر آتی ہیں یہ سب دیکھنے بھر کی ہیں۔ ان کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ جیسے سمندر اصل چیز ہے اور اس کی لہریں، موجیں اور بُلبلے وغیرہ صرف نام کے ہیں۔ میر نے بھی اسی خیال کو یوں پیش کیا تھا:

ہستی ہے اپنے طور سے جوں بحر جوش میں
گرداب کیسا، موج کہاں ہے، حباب کیا

بُندیاں، لہریں اور بلولے کہبے بَرے کے ناؤں
ساگر کے بہروپ ہیں سگرے، او ہی ٹھانویں ٹھاؤں

بُندیاں = بوندیں، قطرے۔ بلولے = بُلبلے۔ کہبے بَرے کے = کہنے کی خاطر۔ ناؤں = نام۔ ساگر = سمندر۔ بہروپ = مختلف شکلیں۔ او = وہ۔ ٹھانویں ٹھاؤں = جگہ جگہ، ہر جگہ۔

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ محبوب نے خوب بناو سنگار کر کے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی کہ لوگوں کو اُسے دیکھنے کا اشتیاق اور بڑھے۔ لیکن اُس کو خود آرائی کا اس قدر شوق ہے کہ نقاب کے اندر بھی مزید آرایش جمال کے لیے آئینہ رکھتا ہے۔

دوسرا مطلب صوفیانہ نقطۂ نظر سے یہ ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ خدا نے یہ خوب صورت کائنات بنا دی لیکن ابھی تک وہ اس کی آرائش میں مصروف ہے اگرچہ خود نظر سے اوجھل ہے۔

اَبَہیُ تک سنگار کرے سے چِتواوِہ کا، ناھیں اَگھاے
دَرپَن راکھے گھونگھٹ بھیتر جُگ جُگ روپ سجاے

اَبہی = ابھی۔ چِتوا = دل۔ اَگھائے = دل بھرنا۔ بھیتر = اندر = جگ جگ۔ ہمیشہ، دائم۔

(۴۱)

لاکھوں لگاو ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناو ایک بگڑنا عتاب میں

مجبوب طرح طرح کی لگاوٹ کی ادائیں دکھاتا ہے، ہر ایک دل کش اور دل فریب، مگر جب وہ نگاہ چرانے والی ادا دکھلاتا ہے تو ساری لگاوٹیں ایک طرف اور یہ ادا ایک خاص طرف۔ اسی طرح محبوب طرح طرح کے بناؤ سنگار کرتا ہے، سب دل فریب اور دل رُبا۔ مگر جب وہ کسی بات پر غصہ کرتا ہے تو اُس وقت اُس کا حُسن نہایت دل کش ہو جاتا ہے۔

نَین چُراوت جَو نِھے باری، وَہِ ماں لاکھ لگاو
بگڑت جب وہ گُسّا کرکے، وَہِ ماں لاکھ بنار

جَو نِھے باری = جس وقت۔ بگڑت = بگڑتا ہے۔ گُسّا = غصّہ

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

میری زندگی شروع سے اب تک پریشانیوں ہی میں کٹی۔ کوئی نہ کوئی پریشانی ہمیشہ لاحق رہی۔ اس مسلسل گردش سے کیوں نہ گھبرا جاؤں۔ مے خانے کے پیالہ و ساغر ہمیشہ گردش میں رہتے ہیں لیکن وہ تو بے جان ہیں اُن کے گھبرانے کا کیا سوال ہے۔ میں جاندار ہوں، حساس ہوں اس لیے اس روز مرہ کی گردش سے کیوں نہ گھبرا جاؤں۔!

چکّر چکّر، نِس دن چکّر، کاہے ناجی گھبرائے
مانس ہوں میں، ہِردے مورا مَدھ کا پیالا نائے

نِس دن = دن رات۔ مانُس = انسان۔ ہردے = دل۔ مَدھ = شراب۔ نائے = نہیں ہے۔

(۴۳)

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

خدا نے دونوں جہان مجھ کو بخش دیے اور سوچا کہ اب تو یہ انسان خوش ہو گیا ہوگا، مگر میں خاموش رہا، اس لیے نہیں کہ اس بخشش سے میں مطمئن ہو گیا بلکہ میری خاموشی اس لیے تھی کہ مجھے زیادہ مانگنے پر شرم آئی۔

یہاں عالی حوصلگی اور عزتِ نفس کا بیان مقصود ہے کہ انسان اتنا بھی بلند ہو سکتا ہے۔!

بھگون جانِن پرسَن ھوئبا، پائے کے دونوں جگ پرساد
ھم کا لجّا آن یو گھیرِس، کاھے کریں اب واد وِواد

بھگون = خدا۔ جانن = جانا۔ پرسن = خوش۔ ہوئبا = ہو جاؤں گا۔ پرساد = انعام، تبرک، بخشش۔ ہم کا = ہم کو۔ لجّا = شرم۔ گھیرِس = گھیرا۔ واد وِواد = بحث، تکرار۔

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیرِ جلوۂ گل رہ گزر میں خاک نہیں

یہاں غالب نے اپنی محبوبہ کی آمد کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بہشت کی تمام خوش نمائیاں لیے ہوئے یہ کون آ رہا ہے کہ تمام راستہ پھولوں سے اٹا پڑا ہے۔ خاک کا کہیں پتا نہیں ہے۔

کونَھے آوت ھے لیے سُرَگ سَمانَھ گات
بَٹ ماں اَوَرَو کچھو نہیں، پھولے پھول دِکھات

کونَھے = کون۔ آوت ہے = آتا ہے۔ سُرَگ سمانَھ = بہشت شمائل۔ گات = بدن، جوبن۔ بَٹ ماں = راستہ میں۔ اَوَرَو کچھو = اور کچھ۔ دِکھات = دکھائی دیتے ہیں۔

(۴۵)

نشۂ رنگ سے ہے واشُدِ گل

مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

پھول اپنے رنگ کے نشے میں مست ہو کر کھل اٹھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جوان حسینائیں جوانی کے جوش میں بندِ قبا باندھنا نہیں چاہتیں۔

کلیاں بِکسَت، پھلواں پھولت، دیکھو رنگ اُمنگ

یوون ماتی باندھت کب ھے، چولیا رنگ برنگ

بِکسَت = کِھلتی ہیں۔ پھولت = پھولتے ہیں۔ یوون ماتی = جوانی میں مست۔ باندھت = باندھتی ہے۔ چولیا = چولی۔

قید حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

جو زندگی کی قید میں آکر پھنسا اُس کو غم و آلام کے شکنجے میں گرفتار ہونا ضروری ہے۔ گویا پیدا ہونا اور مصیبتوں میں پڑنا ایک ہی چیزیں ہیں اور آدمی کو سوائے موت کے اور کوئی غموں سے چھٹکارا نہیں دِلا سکتا۔

جیون بندھن دُکھ کا بندھن، جڑ دونوں کی ایک دِکھائے
جَولَہہ مانس مَرن نہ بھوگے کیسے دُکھ سے مُکتی پائے

جیون بندھن = قید حیات۔ جَولَہہ = جب تک۔ مَرَن = موت۔ مُکتی = نجات۔ بھوگے = بُھگتے، برداشت کرے۔

گر ترے دل میں ہو خیال ، وصل میں شوق کا زوال

موج محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

اگر تیرے دل میں یہ خیال ہو کہ جسے وصل نصیب ہو جاتا ہے اُس کا شوق ختم ہو جاتا ہے تو یہ خیال صحیح نہیں۔ مثال کے طور پر موج کو دیکھو کہ جب وہ بحر میں مل جاتی ہے تب بھی اس کا اضطراب باقی رہتا ہے اور وہ بحر میں مل کر بھی ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے۔

اَس نا سوچو، پیا مِلَن سے اَبھلاشائیں کُچھ کم ہو جائیں

ساگر بھیتر دیکھو ترنگیں، ڈوبیں ڈوبیں پھر لہرائیں

اَس = ایسا ۔ پیا مِلَن = وصل محبوب ۔ ابھلاشائیں = ارمان، شوق۔ ترنگیں = موجیں۔

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

مسلمان کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، عبادت کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ کعبہ کے در و دیوار کو پوجتے ہیں، بلکہ وہ تو کعبہ (قبلہ) کو قبلہ نما سمجھتے ہیں یعنی کعبہ اُس ذات کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جو سمتوں سے اور مکان سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ اہل نظر (سمجھ دار لوگ) اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں۔

جَھہ کا پوجت ہم ہیں وہ تو بُدّھی سیما کے ہے پار
کیول دِک درشک ہے کعبہ، پارکھ دیکھت دُور اَپار

جھہ کا = جس کو۔ پوجَت = پوجتے۔ بُدھی سیما = حدِ ادراک۔ کیول = صرف۔ دِک دَرشک = راہ نما۔
پارکھ = اہل نظر۔ دیکھت = دیکھتا ہے۔ اَپار۔ اُس کے پار، دور۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

ایک مسافر اپنی منزل پر پہنچنا چاہتا ہے راستہ نہیں جانتا تھا۔ نہ راہبر کو پہچانتا ہے۔ جس کسی کو تیز چلتا دیکھتا ہے اسی کے پیچھے ہو لیتا ہے کہ شاید یہ راستہ جانتا ہو۔ آگے چل کر کوئی اور اُس سے تیز قدم دکھائی پڑتا ہے تو اس کو راہبر سمجھ کر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تلاشِ منزل میں حیراں و سرگرداں ہے کوئی سچا راہبر نہیں ملتا ہے۔

لاگوں میں ھر ایک کے پاچھے، دیکھوں جَہہ کی بیگی چال،
کون ھے نیتا، کَونھے ناھیں، چینھت ناھیں ھوں تت کال

لاگوں = لگتا ہوں۔ پاچھے = پیچھے۔ جَہہ کی = جس کی۔ بیگی = تیز۔ نیتا = رہبر۔ کونھے = کون۔ چینھت = پہچانتا۔ تت کال = فی الحال۔

۵۰

لافِ دانش غلط و نفع عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا وچہ دیں

اگر کوئی شخص دنیاوی معاملات میں اپنی عقل مندی پر شیخی بگھارتا ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ یا اگر کوئی شخص عبادت اس لیے کرتا ہے کہ اُس سے اس کو کوئی فائدہ ہوگا تو یہ امید بھی فضول ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم (رندمنش لوگ) تو دین ہو چاہے دنیا، دونوں کو اپنے ساغرِ غفلت کی تلچھٹ سمجھتے ہیں۔ یعنی دونوں کو کوئی وقعت نہیں دیتے اُنھیں بے کار و بے مصرف سمجھتے ہیں۔

بدھی کبیرا گرَوْ اَست ہے، جَپ اور تَپ سب جھنجھٹ ہوے
چاہے جگ ہو، چاہے دھرم، پرماد چَشک کی تلچھٹ ہوے

بُدھی = عقل۔ گَرَوْ = غرور، گھمنڈ۔ اَسَت = غلط۔ جَپ تپ = عبادت، ریاضت۔ پرماد = غفلت، سہو، مدہوشی۔ چَشک = ساغر، آب خوردہ۔

(۵۱)

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

لوگ عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ اُس کے صلے میں بعد مرگ دوسری دنیا میں جنت ملے گی جہاں شرابِ طہور اور شہد پینے کو ملے گا اور حوریں ملیں گی۔ غالب کہتے ہیں کہ کوئی بہشت کو دوزخ میں ڈال دے تاکہ لوگ اِس لالچ سے خدا کی عبادت نہ کریں بلکہ صرف خدا کو معبودِ حقیقی مان کر اُس کی عبادت کریں۔

ھمری پوجا، جَپ اور تپ سب، سُرگ کی پرتی ھوے
سُرگ کا پھینکو نرک کے بھیتر، مَن کی شُدھی ھوے

ہمری = ہماری۔ پوجا = عبادت۔ جَپ اور تَپ = اوراد، وظیفے اور عبادت۔ سُرگ = جنت۔ پرتی = واسطے۔ نرک = دوزخ۔ بھیتر = اندر۔ شُدھی = پاکی۔

(۵۶)

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

انسان ایک سماجی مخلوق ہے۔ چاہے وہ وہ بالکل تنہا ہی کیوں نہ ہو۔ سماج سے تعلقات کے پہلو اُس کے دماغ میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ جس طرح کسی مجلس میں لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اسی طرح ہم خواہ بالکل تنہا کیوں نہ ہوں ہمارے دماغ میں خیالات کا ہنگامہ برپا رہتا ہے اور اس طرح ہم خلوت (تنہائی) میں بھی انجمن کا لُطف اٹھاتے ہیں۔

اک اک مانَس کیرا من ہے لاکھ بچارن کا استھان
ہم ہوں چاہے ایک اکیلے، رَہت سبھا ہی کیرا دھیان

مانَس = آدمی۔ کیرا = کا۔ بچارن = خیالات۔ استھان = جگہ، مقام۔ رہت = رہتا ہے۔ سبھا = انجمن، محفل۔

از مہر تا بہ ذرّہ دل و دل ہے آئنہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ

سورج سے لے کر ذرّے تک دل ہی دل ہیں (ہر چیز کی اصلیت کو دل قرار دیا ہے) جو آئینہ کی طرح چمک رہے ہیں۔ اس لیے جب کوئی عارف کامل (جس میں خود خدا کا جلوہ موجود ہے) اپنے چاروں طرف اس آئنہ خانۂ کائنات میں دیکھتا ہے تو اسے ہر طرف اپنی ہی شکل نظر آتی ہے۔ مراد یہ کہ تمام کائنات خدائے تعالیٰ کا پرتو ہے۔

سوُر سے کَن تک مَن ہی مَن ہیں، چمکیں جیسے درپن
توتا دَرپن گھر ماں دیکھے چوَندَھر اپنا درشن

کَن = ذرہ ۔ درپن = آئینہ ۔ درپن گھر = آئنہ خانہ ۔ چوَندَھر = چاروں طرف۔
درشن = دیدار ۔ سوُر = سورج ۔

(۵۴)

نہیں کچھ سُبحہ و زنّار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

مُلاّ تسبیح گھماتا ہے، برہمن مالا جپتا ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ اس تسبیح خوانی اور اس مالا جپنے سے خدا کی نزدیکی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہری عبادت کے طریقے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دل سے خدا کی لَو کون لگائے ہے۔ اسی دل کی لگن سے خدا کی قربت حاصل ہوگی خواہ مُلاّ ہو یا برہمن۔

گانٹھن بیچ پکڑ کچھو ناھیں، تسبی ھوئے کہ مالا ھوئے
بھگت ھے کو نھے، شیخ کہ بامھن، اُھکی جانچ پریکشا ھوئے

گانٹھن = گرہیں۔ پکڑ = دار و گیر، احتساب۔ کچھو = کچھ۔ تسبی = تسبیح۔ بھگت = وفادار خدا کا۔ پریکشا = امتحان، آزمائش۔

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

غالب کہتے ہیں کہ ابھی تو عشق کی ابتدا ہے۔ اُس کے غم کے زہر کی کڑواہٹ ابھی تو تمھارے مُنھ اور تالو کی آزمائش کر رہی ہے کہ یہ ابتدا کیسی لگ رہی ہے۔ جب یہ عشق کا زہر تمھاری رگ رگ میں پہنچ جائے گا تب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ یعنی جب شروعات ہی اتنی سخت ہے تو خدا جانے انجام کیسا ہوگا۔

پریم کا بِس جب نَس نَس پھیلے، تب دیکھو کا ھوئے
اَب ھی منہ کے کڑوے پن کی جانچ پریچھا ھوئے

بِس = زہر۔ اَب ہی = ابھی۔ پریچھا = (پریکشا) = جانچ۔

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

محبوب کو دیکھ کر عاشق کے چہرے پر فرطِ خوشی سے رونق آہی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ سُن کر کہ عاشق غمِ ہجر سے سخت بیمار ہے وہ محبوب خیریت دریافت کرنے کے لیے آیا۔ اُس کو دیکھ کر عاشق کا چہرہ بشاش ہوگیا اور محبوب اِس خوش فہمی میں پڑ گیا کہ اب بیمار کی حالت درست ہو رہی ہے۔ اُسے یہ نہیں معلوم کہ اس کے دیدار نے عاشق کی حالت وقتی طور پر ٹھیک کر دی ہے۔ وہ چلا جائے گا تو پھر اُس کی بیماری عود کر آئے گی۔

اُن کا درشن جب جب ہووے، مُنہ پر تیجس آئے
اور وہ جانیں اب یہ روگی نیکا ٹھیک دکھائے

درشن = دیدار۔ تیجس = رونق۔ روگی = بیمار۔ نیکا = ٹھیک، تندرست۔

۵۷

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

غالبؔ کہتے ہیں کہ ہمیں جنت کی حقیقت معلوم ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں صرف ایک سبز باغ دکھایا گیا ہے۔ بہرحال دل کو خوش رکھنے کے لیے یہ خیال بہت خوب صورت ہے۔

کاھے مَرَم سُرَگ کا غالبؔ، جانت ھوں مَیں بھَلی بھانت
کیول ایک بھرم ھے سُندر، من بَہلاوت کی بات

کاہے = کیاہے۔ مَرَم = راز۔ سُرَگ = جنّت۔ بھلی بھانت = اچھی طرح۔ کیول = صرف۔ بھرم = خیال، گمان۔ سُندر = خوب صورت۔ مَن بَہلاون = دل کو بہلانا۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

محبوب کی شیریں بیانی کا کیا کہنا! وہ جب کوئی بات کرتا ہے تو اتنی دل فریب ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی۔

مِشٹ بچن تو وَہِ کا دیکھو، جو کچھ مُنہ پر لائے

جانوں جیسے مورے ہِردے ھی کی بات سُنائے

مِشٹ = شیریں۔ بچن = بات، قول ۔ وَہِ کا = اُس کا۔ ہِردے = دل۔

---

(۵۹)

بس ہجومِ نا امیدی خاک میں مل جائے گی
وہ جو اک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں جو کوشش کر رہا ہوں اس میں مجھے کامیابی نہیں ہوگی پھر بھی مجھے اپنی کوشش میں ایک لذت مل رہی ہے۔ اے نا امیدی کے ہجوم میرے دل پر اتنا نہ چھا کہ میں بالکل مایوس ہو جاؤں ورنہ یہ لذت جو مجھے سعی بے حاصل میں مل رہی ہے نہ مل سکے گی۔

گھور اُداسی، بَس کر، بَس کر، کرنے دے پَرِیاس
جانت ہوں اَسپھل رہیّوں تب ھوُ رَس کی آس

گھور = بہت زیادہ۔ پریاس = سعی، کوشش۔ جانت ہوں = جانتا ہوں۔ اَسپھل = ناکام۔ رہیّوں = رہوں گا۔ تب ہوُ = تب بھی۔ رَس = لطف۔

(٦٠)

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوّری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

ملاقات کرنے کے لیے ہمیشہ کسی تقریب کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ حسینوں کو اپنی تصویر کھنچوانے کا بہت شوق ہوا کرتا ہے اس لیے ہم نے مصوّری سیکھ لی ہے تاکہ اسی کے بہانے اُن سے ملاقات کی صورت نکل سکے۔

ھم نے کیا ھے چِتر کَلا کا یَہ کارن اَبھیّاس
چندر مُکھن سے ملنے کیرا جتّن توھوے پاس

چِتّر کلا = مصوّری کا فن ۔ ابھیّاس = مشق ۔ چندر مُکھن = ماہ رویاں ۔ کیرا = کا ۔ جتّن = تدبیر۔

(٦١)

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

غالب کہتے ہیں کہ میں جو شراب نوشی کرتا ہوں اُس کا مقصد عیش و نشاط ہر گز نہیں ہے۔ میں تو صرف تھوڑی سی بے خودی یا خود فراموشی کے لیے پیتا ہوں تاکہ دنیا کے مصائب بُھلائے رکھوں (یا اپنی بزمِ خیال کو روشن رکھ سکوں)۔ اگر میں عیش و عشرت کی خاطر پیتا ہوں تو میرا منھ سیاہ ہو جائے۔

مَدھ پیوں میں بھوگ کے کارن ایسا میں کلموہا نانْہ
نِس دن ایک اَچنتا چاھوں اور کَچھو اَبھلاسا نانْہ

مدھ = شراب۔ بھوگ = عیش۔ کلموہا = روسیاہ۔ نِس دن = رات دن۔ اَچنتا = بے فکری، بے خودی۔ اَبھلاسا = خواہش، تمنّا۔

۶۲

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اے خدا ! جب کہ تیرے سوا دنیا کی تمام چیزیں ہیچ ہیں اور اپنی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں تو پھر یہ تمام دنیا میں مختلف چیزوں سے کیوں ہنگامے برپا ہیں ؟

اس جگ ماں جب کوَنھو ناھِیں تور بِنا اور تور سَمان
کاھے کو یہ جھگڑا ٹنٹا، کاھے کولاھَل بھگوان

ماں = میں ۔ کوَنھو = کوئی ۔ تور بِنا = تیرے بغیر ۔ تور سمان = تیری طرح ۔
کولاہل = ہنگامہ ۔

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

اپنی خوش فہمی سے ہم اُن محبوبوں سے محبت میں وفاداری کی امید لگائے بیٹھے ہیں جو جانتے ہی نہیں کہ وفا کیا چیز ہوتی ہے۔

ھم کا پریت کے پالن کی اُن سے کا آشا ھوئے
جو نھیں جانیں یَہوُ کہ پالن پیت کِرا کا ھوئے

ہم کا = ہم کو۔ پریت، پیت = محبّت۔ آشا = امید۔ کِرا = کا۔ کا = کیا۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

غالبؔ کہتے ہیں کہ میں اپنے کلام میں جو طرح طرح کے مضامین پیش کرتا ہوں یہ سب غیب سے آتے ہیں۔ میرے قلم کی آواز گویا فرشتۂ غیب کی آواز ہے۔

آوت ھیں آکاش سے مورے من کے بیچ اَنیک وِچار
مورے کلم سے ناد ھے نِکلت، دیوا بانی کے انوُسار

آوت = آتے۔ آکاش = آسمان۔ مورے = میرے۔ اَنیک = طرح طرح کے۔ وِچار = خیالات۔ کلَم = قلم۔ ناد = آواز۔ نِکلت = نکلتی ہے۔ دیوا بانی = ندائے غیب۔ اَنوُسار = مطابق۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

حُسن پرستی اہلِ دل اور اہلِ نظر کا شیوہ تھا وہ حُسن کی خوبیاں دیکھ کر اُس کی قدر کیا کرتے تھے۔ لیکن اب ہوس پرستوں نے حُسن پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ چوں کہ اُن کا عشق صادق نہیں ہوتا اس لیے اُس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اُن کی وجہ سے اب اہلِ نظر یعنی صادق عاشقوں کا اعتبار بھی جاتا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ حُسن پرستی اب معزز لوگوں کا شیوہ نہیں سمجھا جاتا۔

اک اک لوبھی اب کرے، سُندرتا پوجن کا بیوہار
سوجھ رکھیں جو پارکھی اُن کا مان نہیں سویکار

لوبھی = ہوس کرنے والا۔ سُندرتا پوجن = حُسن پرستی۔ پارکھی = مبصر۔ مان = عزت، وقار۔ سُویکار = منظور۔

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ ناز بھی کیا گُل کتر گئی

جس جس راستے سے محبوب گزرا ہے اس کے نقشِ قدم گویا پھول بکھیرتے چلے گئے ہیں اور جو کوئی انھیں دیکھتا ہے ان پر فدا ہو رہا ہے۔

وَہِ کے پد کے چنہ تو دیکھو، کیس چلَت اَٹھلات
پگ پگ پر بس اَیس لگت ہے، پھول پڑیں مُسکات

وَہِ کے = اُس کے۔ پَد = پیر۔ چنہہ = نشان۔ چلَت = چلتا ہے۔ اَٹھلات = اٹھلاتا ہوا۔ پگ پگ = قدم قدم۔ اَیس = ایسا۔ لگت = لگتا ہے۔ مُسکات = مسکراتے ہوئے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

غالبؔ کہتے ہیں کہ میں اس دنیا دی زندگی کو بچوں کا ایک کھیل سمجھتا ہوں۔ یہاں کے حادثات بھی میرے لیے ایک تماشے کی مانند ہیں جنھیں میں دن رات دیکھ کر خوش ہوتا رہتا ہوں۔

یو جگ کا ھے مورے آگے لڑکن کا اک کھیل
لیلا ھووے مورے سنمکھ نس دن اک اک میل

یو = یہ۔ لیلا = تماشا۔ سن مکھ = سامنے۔ نس دن = دن رات۔
میل = قسم، طرح۔

(۶۸)

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

غالبؔ کہتے ہیں کہ میرا وقتِ آخر ہے۔ ضعف کی وجہ سے ہاتھ تک نہیں ہلا سکتا۔ پھر بھی میرے سامنے سے شراب کے ساغر اور اس کی بوتل نہ ہٹاؤ اس لیے کہ میری آنکھوں میں تو دم موجود ہے۔ پی نہیں سکتا نہ سہی کم از کم انھیں دیکھ کر اپنے دل کو تسلّی دیتا رہوں، عمر بھر پیتا رہا اب اس کو کیسے بھُلا سکتا ہوں۔

ھاتھن ماں توسکت نھیں ھے، نَینَن جوتی ناھیں اَبھاو
اَبہِی مورے آگے سیتی مَد کا پیالہ ناھیں ھٹاو

ہاتھن = ہاتھوں۔ ماں = میں۔ نینن جوتی = آنکھوں کی روشنی۔ اَبھاو = کمی۔ اَبہی = ابھی۔ مورے = میرے۔ سیتی = سے۔ مَد = شراب۔

۶۹

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

جب تک کسی شاعر کا دل گداز نہ ہو، اُس میں دردمندی نہ ہو اُس وقت تک اُس کی شاعری میں خوبی اور اثر پیدا نہیں ہو سکتا۔ کسی شاعر کی شمعِ سخن میں خوب روشنی پیدا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اُس کا دل موم کی طرح گداز ہو۔

کویتا کی دیپک جوتی، شوبھا کوئی دکھاوے نا
جولہِ کوِ ہردے اپنا، نرماوے نا، پگھلاوے نا

کویتا = شاعری۔ دیپک = چراغ۔ جوتی = چمک۔ شوبھا = حسن، لطف۔ جولہِ = جب تک۔ کوِ = شاعر۔ ہردے = دل۔

۷۰

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر، ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

میری حالت یہ ہے کہ دل رو رہا ہے لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ اور ہنسی ہے اس لیے میرے دوست نہیں مانتے کہ میرے دل میں کسی طرح سوزش بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی بظاہر تو میں خوش نظر آتا ہوں لیکن میرا دل مبتلائے رنج و غم ہے۔

اَنتَرداہ کا مانت ناھیں، مِترَن کا کیسے سمجھائیں
مَن تو دُکھ ماں ڈوبے ڈولے اور اَدھر مُسکائیں

اَنتر داہ = دل کی چوٹ۔ مانت ناہیں = نہیں مانتے۔ مِترَن = دوستوں۔
اَدھر = ہونٹ۔

(۷۱)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

عاشقوں کو عموماً غیروں پر رشک آتا ہے جب اُن کے محبوب کا دیدار غیروں کو تو نصیب ہوتا ہے اور انھیں نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں غالبؔ اپنے حد سے بڑھے ہوئے جذبۂ رشک کا بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو تو اپنے اوپر رشک آنے لگتا ہے اگر مجھے میرا محبوب دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ اس لیے میں اُسے نہیں دیکھتا۔ میری عجیب قسمت ہے کہ ہر حال میں اپنے محبوب کو دیکھنے سے محروم رہتا ہوں۔

بھاگ تو دیکھو موکا، مورے اپنے من کی ڈاہ ستائے
وَہِ کا اپنے نین سے دیکھوں، کیسے موسوں دیکھا جائے

بھاگ = قسمت۔ موکا = مجھ کو۔ مورے = میرے۔ ڈاہ = رشک، حسد۔
وَہِ کا = اُس کو۔ نین = آنکھ۔ موسوں = مجھ سے۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

جب ہماری کشتی کنارے پر آ ہی لگی ہے تو سفر کے دوران ملّاح نے ہم کو جس جس طرح پریشان کیا تھا اب اس کی شکایت خدا سے کیا کی جائے۔ جو گزر گیا سو گزر گیا۔ گزری مصیبتوں کی یاد تازہ کرنا بے کار ہے۔

سفرِ زندگی کی طرف بھی اشارہ لیا جا سکتا ہے کہ اب جب کہ ہماری زندگی ختم ہونے کے قریب ہے تو خدا سے کیا شکایت کی جائے کہ قسمت نے ہماری زندگی میں کیا کیا دُکھ دیے تھے۔

ڈولت نیّا تٹ پر اپنی غالبؔ جب چل آئی
پرم پِتا سے تب کا کہیئے مانجھی کی نٹھرائی

ڈولت = ہلتی ہوئی۔ تٹ = کنارہ، ساحل۔ پرم پتا = خدا۔ مانجھی = ملّاح، ناخدا۔ نٹھرائی = شرارت، مظالم۔

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اُداس ہے

جیسے کسی مکان کی رونق اُسی وقت تک رہتی ہے جب تک اُس میں کوئی رہتا بستا ہے، کوئی نہ رہے تو مکان ویران ہو جائے۔ اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ جب تک مجنوں زندہ رہا جنگل میں رونق رہی، وہ نہیں رہا تو اب جنگل پر بھی اُداسی چھا گئی ہے۔

جو لَہ باسی بَسَت رہے، مہکت رہے نِواس
مجنوں جب سے مر گیو، جنگل بھیو اُداس

جو لَہ = جب تک ۔ باسی = رہنے والا ۔ بَسَت رہے = بستا رہے ۔ نواس = مکان ۔ بھیو = ہو گیا۔

(۷۴)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اے محبوب تیرا جیسا کوئی حسین نہیں ہے۔ اس لیے میں ایسا حسین کہاں سے لاؤں جسے دیکھ کر تو اور دوسرے لوگ قائل ہو جائیں کہ ہاں واقعی تیرا جیسا حسین دنیا میں موجود ہے اور چوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں تیرے سامنے آئینہ رکھ دوں جسے دیکھ کر تو حیرت میں پڑ جائے اور پھر قائل ہو جائے کہ ہاں، واقعی ایسا حسین کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ تیری حیرت زدگی بڑے تماشے کی بات ہو گی۔

دَرپَن راکھوں تیرے سموُ ھے تب تو کھوُب تماشا ھوے
اَیس کہاں سے کہِ کا لاؤں جو بس تیرو جیسا ھوے

دَرپَن = آئینہ۔ سموہے = سامنے۔ کھوُب تماسا = خوب تماشا۔ اَیس = ایسا۔ کہِ کا = کس کو۔ تیرو = تیرا۔

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملالیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

یہاں غالبؔ کا مخصوص ظریفانہ انداز پیش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے خدا جنّت میں جب کہ ہر قسم کی سیر و تفریح کا سامان میسر ہوگا کیوں نہ دوزخ بھی فردوس کے قریب ہی قائم کردی جائے تاکہ جنّت والوں کو اُس کا تماشا بھی میسر آجائے۔

ہے بھگوان سُرگ کے ساتھے دیو نَرک مِلوائے
اور تماسَن ساتھ وھوکا دیکھ تماشا آئے

سُرگ = بہشت۔ نَرک = دوزخ۔ تماسَن = تماشوں۔ وہوکا = اُس کا بھی۔
دیکھ آئے = دِکھائی دے۔

۷۶

دیتے ہیں جنّت، حیاتِ دہر کے بدلے
نشّہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

انسان جب تک زندہ رہتا ہے دنیا میں طرح طرح کی اور بہت سخت مصیبتیں جھیلتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان تکلیفوں کے بدلے میں اُسے مرنے کے بعد جنّت مل جائے گی تو بھی اُس جنّت کا آرام اُن دنیاوی تکالیف کا بدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یعنی جنّت کا آرام دنیوی تکلیفوں کے مقابلے میں کم ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جیسے کوئی خمار کی سخت ایذائیں اٹھائے اور پھر اسے بہت تھوڑی مقدار میں شراب دی جائے۔

جگ کے جیون کیرے بدلے، دیت ھیں وے کیلاس
مَدھ پلاوت، اتنی ناھیں، جیس ھَتی اَبھلاس

کیرے = کے۔ دیت = دیتے۔ کیلاس = جنّت۔ مدھ = شراب۔ پلاوت = پلاتے ہیں۔ ھتی = تھی۔ اَبھلاس = خواہش، تمنا۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

عشق پر کوئی زور یا اختیار نہیں ہے۔ یہ ایسی آگ ہے کہ جو نہ لگائے لگ سکتی ہے اور نہ بجھائے بجھ سکتی ہے۔ یعنی عشق ایک بے اختیاری جذبہ ہے۔ یہ نہ اپنی خواہش سے پیدا کیا جا سکتا ہے نہ اپنی خواہش سے ترک کیا جا سکتا ہے۔

پریم اگن ہے ایسی غالبؔ جہ پر بس کچھ چلتے ناںہ
جون لگاوت لاگت ناہیں اور بجھاوت بنتے ناںہ

پریم = محبت، عشق۔ اگن = آگ۔ جہہ پر = جس پر۔ بس = قابو، اختیار۔ ناںہ = نہیں۔
جون = جو۔ لگاوت = لگاتے۔ لاگت = لگتا۔ ناہیں = نہیں۔

(۷۸)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

غالبؔ کی زندگی بہت پریشانیوں میں کٹی تھی۔ ایک دفعہ جھنجھلا کر یوں کہہ اٹھے کہ جب ہماری زندگی ایسے دُکھ درد میں گزری تو ہم کیوں کر اور کس منھ سے کہہ سکیں گے کہ ہمارا پرورش کرنے والا ایک خدا بھی تھا۔

بیت گیو جب جیون اپنا، غالبؔ اَیس سمان
کو نھے مُنھ سے کہبا سب سے، ہمر یو تھے بھگوان

بیت گیو = بیت گیا، گزر گیا۔ جیون = زندگی۔ اَیس سمان = اس طرح سے۔ کو نھے = کس۔ کہبا = کہیں گے۔ ہمر یو = ہمارے بھی۔

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

یہاں غالبؔ صوفیانہ خیال پیش کرتے ہیں کہ یہ تمام دنیا ایک مایا ہے، دھوکا ہے، وہمی چیز ہے اور زندگی اسی وہم کے حلقے میں گھری ہوئی ہے۔ اس کے دھوکے میں نہ آجانا۔ اس ہستی کو تو نیستی ہی سمجھنا چاہیے۔ ایک دوسری جگہ اسی خیال کو یوں پیش کیا ہے:

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

جیون چھل ماں آیو نہ غالبؔ، جیون چلتی چھانہہ
اپنے بھرم کے جال کا گھیرا، جگ اَدرو کچھ نا نہہ

جیون چھل = زندگی کے فریب۔ ماں = میں۔ چھانہہ = سایہ۔ بھرم = وہم۔ جگ = دنیا۔ اَدرو = اس کے علاوہ اور۔ کچھو = کچھ بھی۔

(۸۰)

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتوِ سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

جس طرح سورج کی روشنی میں ذرّے حرکت کرتے دکھائی دیتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی روشنی سے اُن میں جان پڑ گئی ہے۔ اسی طرح اے خدا، تمام کائنات میں حرکت تجھ سے ذوق رکھنے کے باعث ہے۔ یہی مفہوم ایک دوسرے شعر میں بھی پیش کیا ہے:

ہے تجلّی تری سامانِ وجود
ذرّہ بے پرتوِ خورشید نہیں

تیرو چسکا پائے کے ڈولے یے سب سنسار
کَن کَن جیوے جگمگے، سُورجہ جوت آدھار

تیرو = تیرا چسکا = ذوق۔ ڈولے = حرکت میں آئے۔ کَن کَن = ذرّہ ذرّہ۔ سورجہ = سورج ہی کی۔ جوت = روشنی۔ آدھار = اصل، بنیاد۔

کچھ نہیں حاصل تکلف میں بغیر از کش مکش
اے خوشا رندے کہ مرغِ گلشنِ تجرید ہے

تکلفات دنیوی میں پڑنے سے سوائے رنج و پریشانی، افکار اور ترددات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں وہ رند لاابالی خوش قسمت ہے جو سب سے الگ تھلگ تنہائی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

جَگ سے جو سمبندھ رکھت ھے، کشٹ کلیش اُٹھائے
بھاگیہ ھیں اُس مَن موجی کیرے، مَن بیراگ سمائے

جگ = دنیا۔ سمبندھ = تعلق۔ رکھت = رکھتا۔ کشٹ کلیش = تکلیفیں، دُکھ۔ بھاگیہ = خوش قسمتی۔ کیرے = کے۔ من = من میں۔ بیراگ = تجرد، زہد۔ من موجی = رند

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

ہم اُس لہو کو نہیں مانتے جو رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے. ہم تو اُس لہو کو مانتے ہیں جو آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکے. یعنی عشق میں لہو کے آنسو رونا عشق صادق کی نشانی ہے۔

ناڑِن بھیتر رَکتُ ھے دوڑت، یہ کا تو ھم مانت نانہ

کوَنھے جوگ لہو ھے ایسا، جَولگ نین سے ٹپکت نانہ

ناڑِن = رگوں۔ رَکت = خون۔ دوڑت = دوڑتا ہے۔ مانت نانہہ = نہیں مانتے۔ کوَنے = کس۔ جوگ = قابل۔ جَولگ = جب تک۔ ٹپکت نانہہ = ٹپکتا نہیں۔

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مُرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

میں دنیا کی مصیبتوں کے جنجال میں پھنسا ہوا ہوں۔ کوشش کرتا رہتا ہوں کہ حالات بہتر ہوجائیں لیکن یہ جنجال بہت سخت ہے اس سے نکلنا مقدر میں نہیں۔ اس لیے میری کوششیں اُس اسیر پرندہ کے مانند ہو کر رہ جاتی ہیں جو کسی قفس میں قید ہو اور اپنا آشیانہ بنانے کے لیے تنکے جمع کر رہا ہو۔ یہ صورت بے سود اور حالت اُس پرندے کی نہایت قابلِ رحم۔

پنجرے ماں ھو جَس کوئی پنچھی، ھم ھوٗ تو ھیں ویَں سَمان
دھیان ماں تنکے تنکے چُن چُن لاوٗب اور بناوٗں گھراستھان

جَس = جس طرح۔ پنچھی = پرندہ، مُرغ۔ ہم ہوٗ = ہم بھی۔ ویَں = اُسی۔ سَمان = طرح۔ گھراستھان = آشیانہ۔

خزاں کیا، فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

یہاں شاعر (غالب) اپنے کو ایک بُلبل فرض کرتا ہے جو قفس میں گرفتار ہے۔ وہ یہ کہہ رہی ہے کہ بہار کا موسم ہو یا خزاں کا یعنی کوئی موسم ہو ہماری تو اپنے بال و پر بیکار ہو جانے کا ماتم کرتے ہی گزر رہی ہے۔

کیَس بسَنتا، کیس ھمنتا، جیون ماں کوؤ رِتّ آئے
ادھی ھم ھیں، ادھی پنجر، پنکھن سُمِرَن رُلوائے

کیس = کیسا۔ بسنتا = بسنت (بہار کا موسم)۔ ہمنتا = موسم خزاں، موسم سرما۔ کوؤ = کوئی۔
رُت = موسم۔ ادہی = وہی۔ پنکھن = پنکھ، بال و پر۔ سُمِرَن = یاد۔

گوشِ محرومِ پیام و چشمِ محرومِ جمال
ایک دل تِس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

میرے کانوں تک میرے دوست کا پیام نہیں آتا اور
نہ عرصہ سے میری آنکھیں اس کے دیدار سے روشن ہوئی ہیں۔
سخت افسوس ہے کہ ایک میرے دل کو کیسی کیسی نا امیدیوں سے
واسطہ پڑ رہا ہے۔

کان نہ پاویں کوئی سندیسا، نین نہ وہ کے درشن پائیں
ھائے نراشا، ایک مورا مَن، وہ پر اِتّی بیاکلتائیں

نراشا = نا امیدی۔ اِتّی = اتنی۔ بیاکلتائیں = پریشانیاں۔

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

دیکھو، خبردار تم ہستی کا فریب مت کھانا۔ لوگ چاہے جتنا کہیں کہ یہ "ہے" لیکن تم یہی سمجھنا کہ وہ "نہیں ہے"۔ زندگی ایک فریب ہے مایا ہے۔ اس میں پھنس کر رہ جانا جلوۂ حقیقت سے محروم ہو جانا ہے۔

جیون کے چھل اور کپٹ ماں کوئی کدا پی آیو نا
چاھے جتّا کہیں کہ جگ ھے، متھیا کا پتیا یو نا

جیون = زندگی۔ چھل اور کپٹ = فریب، مکّاری۔ کداپی = ہرگز۔ آیو نا = نہ آنا۔ جتّا = جتنا۔ جگ = دنیا۔ متھیا = جھوٹ، ہیچ، نابود۔ پتیا یونا = اعتبار نہ کرنا۔

غزل

شعر

اب یہاں غالب کی ایک پوری غزل کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ میرے خیال میں غالب کی یہ غزل ان کی بہترین غزلوں میں سے ہے۔ یہاں اس کے ترجمہ میں غزل کی ہیئت برقرار رکھی گئی ہے۔ دیگر اشعار کی طرح اس کا ترجمہ دوہوں کی شکل میں نہیں کیا گیا ہے۔

ــــــــــــ ہاشمی

(۸۷)

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ہماری آہ میں اثر پیدا ہو اُس کے لیے ایک لمبی مدّت درکار ہے۔ اور اے محبوب! تیری زلف جب ہمارے حال سے واقف ہو گی اس وقت تو ہمارا خاتمہ ہو چکا ہو گا۔

اک جُگ چہیئے ھلے ھماری جب آپَن پَربھاو دِکھلاے
تیری الکن کیری گِرھیں سُلجھیں، تب تک کون جیاے

جُگ = زمانہ، عرصہ۔ چہیئے = چاہیے۔ آپَن = اپنا۔ پربھاو = اثر۔ الکن = زلف۔ کیری = کی۔

(۸۸)

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

سمندر کی ایک ایک موج میں سینکڑوں مگرمچھ منہ پھاڑے ہوئے ہیں۔ ایسی خطرناک صورت حال میں دیکھیے قطرے کے موتی بننے تک کی مدت میں اُس پر کیا کیا آفتیں آتی ہیں۔ یعنی انسان کو درجۂ کمال تک پہنچنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ساگرماں اَتینُت بھنور ھیں، بیچ بھنور شَت شَت گھڑیال
دیکھو موتی ھووَت، بندیا کتنی بِپَت اٹھائے

اَتینُت = بے حد، بہت سے۔ شَت شَت = سینکڑوں۔ ہووت = ہوتے، بنتے۔ بندیا = قطرہ۔ بِپَت = آفت۔

عاشقی صبر طلب اور تمنّا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

عاشقی میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ بے صبری معاملات کو بگاڑ دیتی ہے۔ لیکن دل کی تمنّا مجھے بے تاب کر رہی ہے کہ حصول مطلب میں جلدی کر۔ اس طرح میں عجیب کش مکش میں مبتلا ہوں۔ ایسی حالت میں جب تک جگر خون ہو کر عشق میں اثر اور پختگی پیدا ہو، میں دل کو کیوں کر سنبھالوں۔

کام تو ڈالے وِیا کُلتا ماں، پریت کرے دِھیرج اُپدیش
مور کریجوا جَولہ پاکے، کَس راکھوں مَن کا سمجھائے

کام = تمنّا۔ وِیا کُلتا = پریشانی، مصیبت۔ دھیرج = صبر۔ اُپدیش = صلاح، تلقین۔ مو = میرے۔ کریجوا = جگر، کلیجا۔ جَولہ = جب تک۔ پاکے = پک جائے۔ کَس = کس طرح۔

(۹۰)

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

ہم یہ مانتے ہیں کہ جب ہماری زار حالت کی تم تک خبر پہنچے گی تم غفلت نہ کرو گے اور ہماری خبر جلد لو گے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ جب تک تمھیں ہماری خراب حالت کی خبر پہنچے گی اُس وقت تک ہمارا کام تمام ہو جائے گا۔ مطلب یہ کہ اے محبوب ہمارے دل میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ سوزِ عشق برداشت کر سکیں۔

جانَت ھَوں چِنتِت ھوئیو، سُن پیّہو جب مورا حال
پَر ھم ماٹی ماں مِل جَیبا، تم تک جَو لَہ سوچَن آئے

جانَت = جانتا۔ ہوں = ہوں۔ چِنتِت = فکرمند۔ ہوئیو = ہو گے۔ پیّہو = پاؤ گے۔ پَر = لیکن۔ جَیبا = جاؤں گا۔ جَو لَہ = جب تک۔ سوچَن = خبر، اطلاع۔

۹۱

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

سورج کی روشنی شبنم کو جذب کر لیتی ہے، اس طرح گویا سورج کی روشنی شبنم کو فنا کی تعلیم دیتی ہے۔ عاشق اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ اس طرح میری زندگی بھی آپ کی ایک عنایت کی نظر ہونے تک ہے۔ یعنی جب آپ آفتاب کی طرح مجھ پر اپنا پرتو ڈالیں گے تو میں بھی شبنم کی طرح فنا ہو جاؤں گا اور اس طرح سے تعلیم فنا حاصل کروں گا۔

سورج جوت کی شِکشا پو ھے، اوس کرے اپنے کو ناش
ھَمَر ھو جیون تو ر دَیا کی ایک نجَر کی آس لگائے

جوت = روشنی، پرتو ۔ شِکشا = تعلیم ۔ ناش = فنا ۔ ہَمَر ہو = ہمارا بھی ۔ جیون = زندگی ۔ تور = تیری ۔ دَیا = عنایت ۔ نجَر = نظر ۔

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

اے غافل انسان زندگی کی مدت اتنی قلیل ہوتی ہے کہ تو نے ایک نظر بھی دنیا کو دیکھا نہیں کہ تیری زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ گویا دنیا کی محفل کی رونق بس اتنی دیر قائم رہتی ہے جتنی دیر میں ایک چنگاری اپنے جلنے کا تماشا دِکھا کر بُجھ جاتی ہے۔

چِھن بھر کا اَوکاش ہے جیون، کوئی اَچنتک بھولے نانہ
جُولَہ ناچے چِنگ سبھا ماں، شوبھ سبھا دکھلائے

چِھن = لمحہ۔ اَوکاش = فرصت، مدت۔ جیون = زندگی۔ اَچنتک = غافل۔ جُولَہ = جب تک۔ چِنگ = چنگاری۔ ماں = میں۔ شوبھ = رونق۔

(۹۳)

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اے اسدؔ! زندگی کا علاج موت کے سوا کچھ اور نہیں۔ زندگی کی تکلیفوں کا خاتمہ کوئی اور نہیں کرسکتا۔ جس طرح محفل کی شمع کو صبح تک جلنا ہی پڑتا ہے چاہے وہ محفل غم کی ہو یا کسی خوشی کی تقریب کی۔ اسی طرح انسان کو جب تک موت نہیں آتی خوش و ناخوش اُسے اپنی زندگی کے اوقات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

غالبؔ، جیون روگ کی دارُو مِرتُ بنا کچھ اور رونا نہ
جیسے تیسے دیپک کی لَو دیکھو بھور تلک لہرائے

جیون روگ = غمِ ہستی۔ دارُو = علاج۔ مِرتُ = موت۔ اَور و = اور۔ دیپک = چراغ۔ بھور = صبح۔

فارسی اشعار

(۹۴)

بیند آں برگ، ایں گل افشاند
ہم خزاں، ہم بہار، در گزراست

ہر سال بہار آتی ہے، ہر طرف پھول کھل اٹھتے ہیں۔ پھر خزاں کا زمانہ آتا ہے۔ درختوں کے پتے زرد ہو کر گرنے لگتے ہیں۔ قیام کسی کو نہیں، چاہے بہار ہو یا خزاں یکساں حالت کبھی نہیں رہتی۔

پات گِراوت، پھول بکھیرت، پَت جھڑ اور بَسنت
اک رِتُ آوت، اک رِتُ جاوت، جگ کا یہی چَلنت

پات = پتے۔ گراوت = گراتی ہے۔ بکھیرت = بکھیرتی ہے۔ پَت جھڑ = خزاں کا موسم۔ بسنت = بہار کا موسم۔ جگ = دنیا۔ چلنت = چلن۔

(۹۵)

بہشتِ خویش توانی شُدن، اگر داری
دلے کہ خوں شود و رنگِ مدعا ریزد

اگر کوئی اپنے دل کا خون کرے یعنی اپنی تمام خواہشوں کا گلا گھونٹ دے اور کوئی مدعا کوئی حرصِ دنیاوی نہ رکھے تو ایسے شخص کو بہشت کا مزا یہیں مل جائے۔

من سے جو بھی لوبھ نکارے، ہِردے سے اَبھلاس
اوھی اِس سنسار میں پاوے اپنا مَن کیلاس

مَن = دل۔ لوبھ = حرص۔ نکارے = نکالے۔ ہردے = دل۔ اِبھلاس = تمنّا، آرزو۔ اوہی = وہی۔ کیلاس = بہشت۔

(۹۶)

دو رقیِ فتنہ نہفتند در کفِ خاکے
بلائے جبر یکے، رنجِ اختیار یکے

انسان کی زندگی میں جبر و اختیار کا مسئلہ اس کے لیے بڑی ذہنی کشمکش کا باعث ہوتا ہے۔ کبھی تو وہ سمجھتا ہے کہ میں مجبورِ محض ہوں اور قسمت میں جو کچھ لکھا ہے میرے لیے وہی ہو کر رہے گا۔ کبھی وہ اپنے کو بااختیار سمجھتا ہے اور فخر سے کہتا ہے کہ اپنے لیے جو کچھ میں چاہوں گا وہی ہوگا۔ اس طرح شاعر کہتا ہے، گویا دو قسم کی بجلیاں ایک مٹھی بھر خاک میں بھر دی گئی ہیں جو زندگی کے لیے مصیبتیں بن کر رہ گئی ہیں یعنی ایک جبر، دوسری اختیار۔

اک تو نربلتا کا دکھ، دوسر شکتی کا ابھیمان
مٹھی بھر ماٹی بھئی دو ئی دامن کا استھان

نربلتا = کمزوری، مجبوری۔ شکتی = طاقت، اختیار۔ ابھیمان = غرور، فخر۔ دوئی = دو۔ دامن = بجلی۔ استھان = مقام، جگہ۔

(۹۷)

ہر چہ فلک نخواست است، ہیچ کس از فلک نخواست
ظرفِ فقیہ مے نہ جُست، بادۂ ما گزک نخواست

قسمت میں جس چیز کا ملنا لکھا نہیں ہوتا اُس چیز کو قسمت سے کوئی مانگتا بھی نہیں۔ جیسے شراب پینے کے بعد عموماً گزک استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے جیسے شرابی کی قسمت میں گزک کا ملنا نہیں ہے اس لیے ہم اُس کو فلک (تقدیر) سے نہیں مانگتے۔ اسی طرح ایک فقیہ (یہاں مراد مذہبی آدمی سے ہے) شراب کا طالب نہیں ہوتا اس لیے کہ شراب پینا اس کی قسمت میں لکھا ہی نہیں ہے۔

جو کچھ بھاگ میں ھو وہ ناھیں کوءُ وہ کا مانگت ناہٖ
ھَمری دارو گجک نہ مانگے، دھرمی دارو چاھت ناہٖ

بھاگ = بھاگیہ، قسمت۔ کوءُ = کوئی۔ مانگت = مانگتا۔ ہمری = ہماری۔ دارو = شراب۔ گجک = گزک۔ دھرمی = مذہبی آدمی۔ چاہت = چاہتا۔ ناہٖ = نہیں۔

(۹۸)

رندِ ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نہ بود
لیک صنم بہ سجدہ در، ناصیہ مشترک نخواست

رند عاشق مزاج اور لااُبالی طبیعت کے لیے یہ بات کوئی مشکل نہ تھی اور نہ وہ اس میں کوئی مضایقہ سمجھتا کہ وہ خدا کو بھی پوجے اور صنم کو بھی۔ لیکن صنم یا بُت (معشوق) کو یہ بات پسند نہ تھی کہ جو مجھے پوجے وہ کسی اور کو بھی پوجے۔ عاشق مجبور ہو گیا کہ محبوب کی اس ضد یا اُس کے رشک کے باعث صرف بُت پرست بنے ورنہ اُس کے لیے تو کفر و ایمان یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

مورے ایسے مَن موجی کا اِیشُر پوجا بھارنہ تھی
سیس نواؤں دوئی دُوارے پیتم کا سُویکار نہ تھی

مورے = میرے۔ من موجی = لااُبالی۔ ایشُر = خدا۔ بھار = گراں، بھاری کام۔ سیس = سر۔ نواؤں = جھکاؤں۔ دوئی دوئی = دو، دو۔ دُوارے = در، دروازے۔ سُویکار = منظور۔

(۹۹)

در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم
با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

ہم تیز رفتاری سے چلے جا رہے ہیں اور اس تیز رفتاری کے شوق میں ہم کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ہم کو کہیں سایہ دار جگہ سُستانے کے لیے بیٹھنے کو یا پیاس بُجھانے کے لیے کوئی پانی کا چشمہ ملتا ہے یا نہیں۔ اس لیے ہم سے درخت طوبیٰ (جو جنّت میں ہے اور جس کے سایے میں جنتی بیٹھے ہوں گے) یا چشمۂ کوثر (جنّت کے ایک چشمے کا نام) کی بات نہ کی جائے۔

چال ھے تت پرگامی موری، موکا کچھ ہو چہیّے نا نہہ
ناھیں مان سرو ورمانگوں، ناھیں کلپ برچھ کی چھانہہ

تت پرگامی = تیز رفتار۔ موری = میری۔ موکا = مجھ کو۔ کچھ ہو = کچھ بھی۔ چہیّے = چاہیے۔ مان سرو ور = ایک مقدس جھیل جو ہمالیہ میں ہے۔ کلپ برچھ = دیوتاؤں کے باغ کا ایک مقدس درخت، طوبیٰ۔

(۱۰۰)

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست
قعرِ دریا سلسبیل و روے دریا آتش ست

کسی بلا سے مسلسل ڈرتے کانپتے رہنے سے یہ بہتر ہے کہ اس بلا میں بلا جھجک پھاند پڑو۔ اس جرأت مندی سے تمھیں کامیابی حاصل ہوگی اور تمھارا ڈر بھی دور ہو جائے گا۔ اس بات کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ اگر تمھیں کسی سمندر کی سطح دہکتی نظر آئے تو تم اس میں بے تکلف پھاند پڑو۔ سمندر کی گہرائی میں پہنچ کر تم کو ٹھنڈک میسر آجائے گی۔

بَھے سے اُتم ہے یہی، ندھڑک آپتِ سے ٹکرائے
ساگر اوپر اگنی دیکھے، بھیتر امرت رس پائے

بَھے = خوف۔ اُتم = افضل، بہتر۔ ندھڑک = بلا خوف۔ آپتِ = آفت۔ ساگر = سمندر۔ اگنی = آگ۔ امرت رس = آب حیات۔

اتر پردیش اردو اکادمی
کی
نئی مطبوعات

۱۔ انتخابِ کلامِ اقبال	مرتبہ ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین	30/=
۲۔ انتخابِ کلام ماچس لکھنوی	مرتبہ رئیس آغا	29/=
۳۔ انتخابِ کلام قمر مرادآبادی	ڈاکٹر سعادت علی صدیقی	41/=
۴۔ شفاء الدولہ کی سرگذشت	ڈاکٹر نیر مسعود	27/=
۵۔ شبلی معاصرین کی نظر میں	ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی	61/=
۶۔ تنقید اور عملی تنقید	سید احتشام حسین	41/=
۷۔ روایت اور بغاوت	سید احتشام حسین	36/=
۸۔ سازِ اودھی میں نغمۂ غالب	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی	25/=
۹۔ ادب پارے (حصہ نثر)	مرتبہ سید احتشام حسین	30/=
۱۰۔ ادب پارے (حصہ نظم)	مرتبہ سید احتشام حسین	30/=
۱۱۔ ہندی سے اردو سیکھئے	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی	10/=
۱۲۔ بچوں سے باتیں	مرتبہ ڈاکٹر نیر مسعود	18/=
۱۳۔ ہاتھیوں سے جنگ	وجاہت علی سندیلوی	10/=
۱۴۔ اسرارِ کائنات	محمد اسحاق صدیقی	24/=
۱۵۔ زمین کے بھید	محمد اسحاق صدیقی	27/=

Saz-e-Awadhi Mein

Naghma-e-Ghalib

Dr. Noorul Hasan Hashmi

Uttar Pradesh Urdu Akademi
Lucknow